ادارہ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

پان والی کوٹھی، دُودھ پور، علی گڑھ
۲۰۲۰۰۱

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا سہ ماہی ترجمان

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اکتوبر ـــــــــ دسمبر ۱۹۹۶ء

—: ایڈیٹر :—

سیّد جلال الدّین عمری

پاٹ والی کوٹھی دودھ پور علی گڑھ

۲۰۲۰۰۱

سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ

جلد ۱۵ شمارہ ۴

اکتوبر ـــــــــ دسمبر ۱۹۹۶ء

جمادی الاول ـــــــــ رجب المرجب ۱۴۱۷ھ

زرتعاون

اندرون ملک	ـــــــــ	فی شمارہ ۲۰ روپیے
	ـــــــــ	سالانہ ۷۵ روپیے
	ـــــــــ لائبریری وادارے	سالانہ ۱۰۰ روپیے
بیرون ملک	ـــــــــ (انفرادی)	" ۳۵۰ روپیے
	ـــــــــ (ادارے)	" ۵۰۰ روپیے
پاکستان	ـــــــــ (انفرادی)	" ۱۵۰ روپیے
	ـــــــــ (ادارے)	" ۲۰۰ روپیے

طابع وناشر سید جلال الدین عمری نے انٹرنیشنل پرنٹنگ پریس علی گڑھ کے لیے نازیہ پرنٹنگ پریس دہلی سے چھپواکر ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرفِ آغاز

غیر مسلموں سے معاشرتی تعلقات (بعض مسائل کی توضیح)	سید جلال الدین عمری	۵

تحقیق وتنقید

علم درایت اور موضوع روایات	ڈاکٹر محمد سلیم	۲۱
مورخ یعقوبی اور فقہائے اسلام	ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۳۴

بحث ونظر

مرابحہ۔غیر سودی بنک کاری کی اہم بنیاد	مولانا محمد حسنین ندوی	۴۸
نصاریٰ اور قرآن	ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی	۶۷
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر	ڈاکٹر سید حسن الدین احمد	۹۶
رویت ہلال پر سائنسی تحقیق	ڈاکٹر طارق منیر	۱۰۵

تعارف وتبصرہ

ہندتو	ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی	۱۰۹
لا الٰہ الا اللہ عقیدہ وشریعہ ومنہاج حیاۃ	مولانا عبدالمتین منیری	۱۰۹
محمد اور قرآن	مولانا محمد جرجیس کریمی	۱۱۴
فہرست مضامین ومضمون نگاران تحقیقات اسلامی جلد ۱۵ بابت ۱۹۹۶ء		۱۱۷

اس شمارے کے لکھنے والے

۱۔ ڈاکٹر محمد سلیم ——————

استاد دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۲۔ ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی ——————

پروفیسر شعبۂ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۳۔ مولانا محمد حسنین ندوی ——————

پوسٹ بکس ۲۵۹۲ ابوظہبی متحدہ عرب امارات

۴۔ ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی ——————

رکن ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

۵۔ ڈاکٹر سید حسن الدین احمد ——————

جامعہ الملک عبد العزیز۔ جدہ

۶۔ ڈاکٹر طارق منیر ——————

صدر ایڈ نبرا اردو سرکل

۷۔ مولانا عبد المتین منیری ——————

دار المعارف، امین الدین روڈ، منیر آباد، بھٹکل۔ کرناٹک

۸۔ مولانا محمد جمیں کریمی ——————

رکن ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

۹۔ مولانا سید جلال الدین عمری ——————

سکریٹری ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

—: خوش نویس :—

ابن یوسف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

غیر مسلموں سے معاشرتی تعلقات

(بعض مسائل کی توضیح)

سید جلال الدین عمری

موجودہ دور میں انسان کی ضروریاتِ زندگی کا دائرہ بہت ہی وسیع ہوتا چلا گیا ہے اور ان میں بڑا تنوع آگیا ہے۔ آج کی تیز رفتار مادی ترقی کے ساتھ ان میں روز بروز اضافہ ہی کا امکان ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی بستی، شہر یا علاقہ ہی کے لیے نہیں بڑے سے بڑے ملک کے لیے بھی ان ضروریات کے سلسلہ میں خود کفیل ہونا دشوار ہو رہا ہے۔ اس کے لیے ایک علاقہ کو دوسرے علاقہ سے اور ایک ملک کو دوسرے ملک سے مدد لینی پڑتی ہے۔ اس طرح درآمد و برآمد ہر ملک کی ضرورت بن گئی ہے۔ ایک چیز ایک ملک میں تیار ہوتی ہے دوسرا ملک اس کے لیے منڈی فراہم کرتا ہے۔ ان کی پیداوار اور تیاری پر بھی کسی خاص قوم یا ملک کی اجارہ داری نہیں ہے۔ انھیں کوئی بھی ملک تیار کر سکتا ہے اور جہاں جس قسم کی ضرورت ہو فراہم کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ بین الاقوامی حالات اور آمد و رفت کی سہولتوں نے اقوام و ممالک کو قریب کر دیا ہے۔ کسی ملک کے افراد کا دوسرے ملک میں لمبی مدت تک قیام بلکہ وہاں جا کر آباد ہو جانا بھی ناممکن نہیں رہا۔ ان حالات میں ایک مسلمان کے سامنے ان اشیاء کے استعمال کا سوال آتا ہے جنھیں غیر مسلم تیار کرتے ہیں۔ اس وقت خاص طور پر غذا اور لباس اور ان کے متعلقات زیر بحث ہیں۔ ان ہی کے ذیل میں بعض سوالات پر گفتگو کی جائے گی۔

معاشرت عرب کے بعض پہلو

غذا اور لباس کا تعلق تہذیب اور معاشرت سے جڑا ہوا ہے۔ دنیا کی ہر قوم کی طرح مشرکین عرب کی بھی خاص تہذیب اور معاشرت تھی، رسوم و رواج تھے، ان کی مخصوص غذائیں تھیں،

ان کی تیاری کا اپنا ایک طریقہ تھا۔ خوشی کے مواقع پر تقریبات اور دعوتوں کا رواج تھا اور ہر تقریب کا الگ نام تھا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب کی اسی تہذیب اور معاشرت میں پیدا ہوئے، صحابہ کرامؓ کا بھی اسی ملک اور اسی تہذیب سے تعلق تھا۔ آپؐ کی اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کی غذا، لباس، رہن سہن اور معاشرت وہی تھی جو اہل عرب کی تھی۔

غذاؤں کی حلت وحرمت

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان اپنی غذا کے لیے جن اشیا کا استعمال کرتا ہے مذہب کی دنیا میں ان کی حلت وحرمت کا سوال بڑا اہم رہا ہے۔ بعض چیزیں ایک مذہب میں جائز اور مباح ہیں تو دوسرے مذہب میں وہ ممنوع اور حرام سمجھی گئی ہیں۔ اہل عرب بھی اشیا کی حلت وحرمت کے قائل تھے، لیکن اس کی بنیاد زیادہ تر مشرکانہ تصورات اور اوہام وخرافات پر تھی۔ اسلام نے ان کے باطل تصورات کی اصلاح کی اور کہا کہ کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے

---

[1] بعض تقریبات کا ذکر یہاں نامناسب نہ ہوگا۔

۱۔ ولیمہ۔ نکاح کے بعد کی تقریب۔

۲۔ عقیقہ۔ بچہ کی پیدائش پر ساتویں دن کی دعوت۔

۳۔ اعذار۔ ختنہ کے موقع پر کی جانے والی دعوت۔

۴۔ النقیعہ۔ وہ دعوت جو سفر سے بہ عافیت واپسی پر کی جائے۔

۵۔ الوکیرہ۔ مکان کی تعمیر کی خوشی میں کی جانے والی دعوت۔

۶۔ الجفلیٰ۔ دعوت عام۔

۷۔ النقریٰ۔ دعوت خاص۔

دعوت کے لیے جو کھانا تیار کیا جاتا اسے المأدبہ کہا جاتا۔

ملاحظہ ہو۔ ابو عمر احمد بن محمد بن عبداللہ الاندلسی، العقد الفرید، بحث الطعمۃ العرب۔ ۶/۲۹۰۔۲۹۲ متعلقہ الفاظ کی وضاحت اور تشریح کے لیے لسان العرب بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ ان تقریبات میں سے بعض کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی رکھا اس لیے انھیں سنت کا درجہ حاصل ہے۔

کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے: (النحل: ۱۱۶) اس کے ساتھ اس نے یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا چیزیں حرام قرار دی ہیں۔ سورۂ انعام مکی سورت ہے اس میں مشرکین کے غلط رسوم و رواج اور مذہبی خیالات پر تفصیل سے جرح و تنقید کی ہے۔ اس میں ارشاد ہے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (الانعام: ۱۴۵)

کہہ دو کہ مجھ پر جو وحی آئی ہے اس میں کسی کھانے والے پر جو چیز حرام کہ وہ کھاتا ہے میں کوئی چیز حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت اس لیے کہ وہ ناپاک ہے یا فسق ہو کہ جانور پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے لیکن اگر کوئی (جان بچانے کے لیے ان محرمات کے کھانے پر) مجبور ہو جائے اور وہ حد سے نہ بڑھے اور زیادتی نہ کرے تو تمہارا رب بڑا معاف کرنے والا اور بڑا رحیم ہے۔[1]

اس آیت میں بعض وہ چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں جنھیں اہلِ عرب حلال سمجھتے تھے اور بے تکلف استعمال کرتے تھے۔ ان کے علاوہ بعض اور چیزوں کی حرمت بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ جیسے شراب کی حرمت (المائدہ) یہاں اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔[2]

اشیاء میں اصل حلت ہے

اشیاء کی حلت و حرمت کے سلسلہ میں اصولی بات یہ ہے کہ اشیاء میں اصل حلت ہے۔ حرام صرف وہی اشیاء ہیں جنھیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔ ایک مسلمان

---

[1] اس سلسلہ کی مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات'، ص ۱۰۱-۱۰۰

[2] قرآن و حدیث میں مطعومات و مشروبات میں کن چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے اور کن چیزوں کی حرمت میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے اور کن چیزوں میں کراہت پائی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۷/ ۱۱۵-۱۲۳

ان سے لازماً احتراز کرے گا۔ اس کے علاوہ ساری چیزیں حلال ہیں انھیں وہ استعمال کرسکتا ہے۔ حرام وحلال کے اس فرق کے ساتھ وہ جس معاشرہ کا فرد ہے اور جہاں اس کی نشو ونما ہوئی ہے، وہاں کی غذا اس کی غذا ہوگی اور وہ جہاں بھی جائے گا اور جس ماحول میں بھی رہے گا مناسب حال اور اپنی پسند کی غذا استعمال کرے گا۔ جو چیزیں وہ خود کھا سکتا ہے وہ دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے اور ان کے ساتھ ان چیزوں کے کھانے پینے میں شریک بھی ہو سکتا ہے۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کا بھی فرق نہیں ہے۔ حلال چیزیں غیر مسلم تیار کریں تو ان کی خرید و فروخت اس کے لیے جائز ہوگی۔

اب آیئے اس موضوع کے بعض پہلوؤں کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کسی قدر تفصیل سے مطالعہ کیا جائے۔

غیر مسلم کا پانی پاک ہے

پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی حلال اور پاک نعمت ہے۔ ہر جاندار کی حیات کا اس پر دار و مدار ہے۔ یہ نعمت سب کے لیے ہے بہت سے لوگ انسانوں کے درمیان ذات پات اور رنگ و نسل کی بنیاد پر فرق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص جسے وہ کم تر ذات کا سمجھتے ہیں پانی کو ہاتھ لگا دے تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے اور اس کا استعمال ان کے لیے ممنوع ہو جاتا ہے۔ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ پانی اصلاً پاک ہے۔ کسی فرد کے ہاتھ لگانے سے وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ وہ ناپاک اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس میں کوئی نجس اور ناپاک چیز کی آمیزش ہو جائے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے غیر مسلموں کا پانی کھانے پینے حتیٰ کہ عبادات تک کے لیے استعمال کیا ہے۔

حضرت عمران بن حصینؓ ایک سفر کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ رات میں ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ صبح سب کی آنکھ لگ گئی۔ نماز قضا ہو گئی۔ فوراً بعد میں ادا کی گئی۔ ہمارے پاس پانی ختم ہو چکا تھا۔ شدید پیاس لگی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سواروں کے ساتھ مجھے پانی کی تلاش کے لیے بھیجا۔ جب ہم نکلے تو دیکھا کہ ایک عورت پانی سے بھرے ہوئے دو مشک اپنی اونٹنی پر لیے جا رہی ہے۔ ہم نے اس سے دریافت کیا کہ پانی کہاں مل سکتا ہے؟ اس نے کہا قریب میں پانی نہیں ہے۔ میں اپنے قبیلہ سے ایک دن اور

ایک رات کا فاصلہ طے کرکے پانی لارہی ہوں۔ اس نے کہا کہ وہ ایک بیوہ عورت ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے یتیم بچے ہیں۔ ہم اسے لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے۔ آپ کے حکم پر اونٹنی کو بٹھایا گیا۔ آپ نے مشک پر دست مبارک رکھا۔ تھوڑا سا پانی لے کر اس پر کلی کی۔ اس کے بعد آپ کا یہ معجزہ دیکھنے میں آیا کہ ہم چالیس افراد تھے۔ ہم سب نے اس سے پانی پیا اور ہمارے پاس جو چھوٹے بڑے برتن تھے سب بھر لیے۔ ایک صاحب کو غسل کی حاجت تھی۔ انھیں اس کے لیے پانی دیا گیا۔ اس کے باوجود یوں محسوس ہو رہا تھا کہ مشک اس قدر بھرے ہوئے ہیں کہ پھٹے جارہے ہیں۔ آپ نے اس عورت سے فرمایا دیکھو ہم نے تمہارا پانی کم نہیں کیا ہے۔ پھر آپ کے حکم سے ہم لوگوں نے بچی ہوئی روٹی کے ٹکڑے اور کھجوریں اسے دیں آپ نے اس سے کہا جاؤ یہ اپنے بچوں کو کھلاؤ۔ اس نے اپنے قبیلہ میں پہونچ کر پورا واقعہ سنایا تو سب لوگ اسلام لے آئے[۱]

حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت ہے کہ انھوں نے شام کے سفر میں ایک نصرانی عورت کے گھر سے گرم پانی لے کر وضو کیا[۲]

امام شافعیؒ نے اس روایت کو یوں نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی عورت کے گھڑے سے پانی لے کر وضو کیا[۳]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل کتاب کے پانی کو اس تفصیل میں گئے بغیر کہ وہ کس قسم کا پانی ہے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ مشرک کے پانی سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ اگر اپنی عبادت کے لیے وضو کرتا ہو تو اس کے بچے ہوئے پانی سے بھی وضو کیا جاسکتا ہے۔ ہاں اگر متعین طور پر یہ معلوم ہو

---

[۱] بخاری، کتاب المغازی، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، باب قضاء الغائب واستحباب تعجیلہ۔ قاضی شوکانی کہتے ہیں، ثبت فی الصحیحین انہ صلی اللہ علیہ وسلم توضأ من مزادۃ مشرکۃ نیل الاوطار: ۱/۲۶

[۲] بخاری، کتاب الوضو، باب وضوء الرجل مع امرأتہ۔ قرطبی نے دارقطنی کے حوالہ سے اس واقعہ کی تفصیل نقل کی ہے۔ الجامع لاحکام القرآن: ۱۳/۴۴-۴۵

[۳] ابن حجر، فتح الباری: ۱/۲۹۹

کر پانی نجس ہے تو وضو صحیح نہ ہوگا۔[1]

غیر مسلم کی غذا کا حکم

اب غذاؤں کو لیجیے۔ انسان کی غذا میں کئی طرح کی چیزیں شامل ہیں۔

۱۔ بعض چیزیں قدرت کی طرف سے اسے تیار شدہ شکل میں مل جاتی ہیں۔ جیسے پھل اور میوے۔ اس میں انسان کا دخل صرف زراعت، شجر کاری اور آب پاشی وغیرہ کی حد تک رہتا ہے۔ بعض اوقات بغیر محنت کے بھی یہ چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ انھیں اگر کوئی غیر مسلم پیدا کرتا ہے تو اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جس طرح مسلمان کی پیداوار جائز ہے اسی طرح غیر مسلم کی پیداوار بھی جائز ہے۔ یہی حکم گیہوں، چاول اور دیگر غذائی اجناس کا ہے۔

۲۔ بعض چیزیں وہ ہیں جنھیں آدمی ان کی فطری حالت میں بطور غذا استعمال نہیں کر پاتا۔ اس لیے ان میں اپنی جسمانی حالت، مزاج اور معدہ کی رعایت سے مناسب ترمیم کر کے استعمال کرتا ہے۔ اسی کے لیے وہ گیہوں سے آٹا تیار کرتا اور آٹے سے روٹی پکاتا ہے، یا دانوں سے تیل نکال کر استعمال کرتا ہے۔ اگر یہ خدمات کوئی غیر مسلم انجام دے تو مسلمان کے لیے ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ اگر کوئی اس سے فائدہ اٹھانا نہ چاہے تو یہ اس کی احتیاط ہوگی۔ جواز بہر حال باقی رہے گا۔[2]

۳۔ جانور کا گوشت بھی انسان کی غذا میں شامل رہا ہے۔ اسلام کی رو سے حلال جانور کا گوشت کھایا جا سکتا ہے۔ اس میں تقرب اور عبادت کا پہلو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس پر بحث آگے آ رہی ہے۔

غیر مسلم کی تیار کردہ غذائی اشیاء

غیر مسلموں کی تیار کردہ حلال مطعومات استعمال کی جا سکتی ہیں۔ احادیث سے اس کا جواز ثابت ہے۔

---

[1] ابن حجر، فتح الباری: ۱/۲۹۹

[2] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۶/۷۷۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پنیر کا ٹکڑا پیش کیا گیا۔ آپ نے چھری طلب فرمائی، اللہ کا نام لے کر اسے قطع کیا اور تناول فرمایا۔[1]

پنیر حجاز میں تیار نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ شام وغیرہ سے آتی تھی۔[2]

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ غزوۂ خیبر میں مجھے چربی سے بھرا ہوا ایک جراب (چمڑے کا تھیلا) ملا۔ میں نے اسے اپنے پاس محفوظ کر لیا اور کہا کہ یہ میں کسی کو نہیں دوں گا۔ اتنے میں پلٹ کے دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے۔[3]

اس حدیث کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہود کے ذبیحہ کی چربی کا استعمال مسلمانوں کے لیے جائز ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ میں سے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ چونکہ چربی یہود کے لیے حرام تھی اس لیے ان کے ذبیحہ سے نکلی ہوئی چربی ہمارے لیے بھی حرام ہوگی، لیکن امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور جمہور علماء اس کے جواز کے قائل ہیں۔ قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔[4]

چربی کو محفوظ رکھنے اور اسے قابل استعمال بنانے کے لیے وہ کوئی نہ کوئی طریقہ اختیار کرتے ہوں گے۔ چربی پر مکھن، گھی اور روغن وغیرہ کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

غیر مسلم کی دعوت قبول کی جا سکتی ہے

دعوتیں اور تقریبات ہر معاشرت کا ایک لازمی جز ہیں۔ اس سے خوشی میں شرکت ہوتی ہے، تعلقات استوار ہوتے ہیں اور قربت بڑھتی ہے۔ اسلام نے اس کی ترغیب

---

[1] ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب فی اکل الجبن۔

[2] قاضی شوکانی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پنیر کے استعمال کے بارے میں فرماتے ہیں۔ اکل من الجبن المجلوب من بلاد النصاری کما اخرجہ احمد وابوداؤد من حدیث ابن عمرؓ۔ نیل الاوطار: ۱/۲۶

[3] بخاری، کتاب الذبائح والصید، باب ذبائح اہل الکتاب وشحومہا من الحرب وغیرہم۔ مسلم، کتاب الجہاد، باب جواز الاکل من طعام الغنیمۃ فی دار الحرب۔

[4] نووی، ج ۱۲ جز ۱۲، ص ۱۰۲-۱۰۳۔ نیز ملاحظہ ہو۔ قرطبی: ۶/۷۷

دی ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دعوت دے تو اسے قبول کرنا پسندیدہ ہے، بلا وجہ اسے رد نہیں کرنا چاہیے[۱]

غیر مسلم کے ساتھ بھی کھانا پینا مباح ہے۔ وقت ضرورت اسے دعوت دی جا سکتی ہے اور اس کی دعوت قبول کی جا سکتی ہے۔ جس معاشرہ میں مختلف مذاہب کے ماننے والے رہتے ہوں وہاں اس طرح کی دعوتوں اور تقریبات کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ اس سے دینی اور سماجی بہت سے فائدے اٹھائے جا سکتے ہیں۔

قرآن مجید نے اہل کتاب کے بارے میں فرمایا۔

وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ	ان لوگوں کا کھانا جن کو کتاب دی
حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ	گئی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا
(المائدہ: ۵)	کھانا ان کے لیے حلال ہے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ 'تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے' کا ایک مفہوم یہ بھی ہے اور اسی کو ترجیح حاصل ہے کہ جس طرح تم ان کا ذبیحہ کھا سکتے ہو اسی طرح تم انھیں اپنا ذبیحہ کھلا سکتے ہو۔ اس کی ممانعت نہیں ہے[۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کی دعوت قبول فرمائی ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے۔

انّ یہودیا دعا النبی صلی اللہ	ایک یہودی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
علیہ وسلم الی خبز شعیر و	کو جو کی روٹی اور بدبودار چربی (یا تیل) کی
اھالۃ سنخۃ فاجابہ[۳]	دعوت دی۔ آپ نے قبول فرمائی۔

روایات سے ثابت ہے کہ جنگ خیبر کے ختم ہونے کے بعد ایک یہودی عورت نے آپ کے پاس بکری کا گوشت بھجوایا۔ یا آپ کی دعوت کی، اس میں زہر تھا۔ آپ نے لقمہ لیتے ہی اسے تھوک دیا۔ اس کے باوجود اس کا اثر آپ پر ہوا۔ آپ کے ساتھی بشر بن براءؓ کا اسی سے

---

[۱] ملاحظہ ہو۔ راقم کی کتاب۔ صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات۔ ص ۱۶۹

[۲] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۲/ ۲۰

[۳] مسند احمد: ۳/ ۲۱۱، ۲۷۰

انتقال ہوگیا [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کے کھانے پینے کا اہتمام بھی فرمایا ہے۔

قبیلۂ ثقیف کے وفد کو جو ابھی اسلام نہیں لایا تھا آپؐ نے مسجد نبوی میں ٹھہرایا حضرت خالد بن سعیدؓ اس کے کھانے کا نظم فرماتے تھے۔ وفد کے لوگ حضرت خالدؓ کے کھانے سے پہلے کھانا نہیں کھاتے تھے [2]

غیر مسلم کا ذبیحہ

جانور کا گوشت ہمیشہ سے انسان کی غذا میں شامل رہا ہے۔ اسلام نے حلال جانور کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے۔ اس کے ساتھ بعض شرطیں رکھی ہیں۔

۱۔ حلال جانور بھی مردار نہ ہو، چاہے وہ طبعی موت مرا ہو، یا گلا گھونٹنے، یا چوٹ کھانے سے یا کسی بلند مقام سے گرنے یا دوسرے جانور کے سینگ مارنے اور حملہ کرنے سے اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ (المائدہ: ۳)

۲۔ اسے ذبح کیا جائے اور اللہ کے نام پر کیا جائے۔ مشرکین کہا کرتے تھے کہ یہ عجیب بات ہے کہ جس جانور کو اللہ نے مارا ہے وہ تو ناجائز ہے اور جسے انسان ذبح کرے وہ حلال اور جائز ہے۔ قرآن نے اس نامعقول اعتراض کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور کہا کہ اللہ کے نام پر جو جانور ذبح ہو اس کے کھانے میں تکلف نہیں ہونا چاہیے۔ ارشاد ہے:

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ	پس تم کھاؤ وہ جسے اللہ کا نام لے کر
عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ۝	ذبح کیا گیا ہے۔ اگر تم اس کی ہدایات
وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا	پر یقین رکھتے ہو۔ آخر تم اس جانور کو کیوں
ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ	نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے جب کہ

---

[1] بخاری، کتاب المغازی، باب الشاۃ التی سمّت۔ مع فتح الباری: ۷/۴۹۷۔ واقعہ کی تفصیل اور روایات کے اختلافات کے لیے دیکھی جائے۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۳/۳۹۴۔ ۴۰۱۔ نیز ملاحظہ ہو راقم کا مضمون تالیف کی سماجی اور سیاسی اہمیت۔ سہ ماہی تحقیقات اسلامی۔ جنوری۔ مارچ ۱۹۹۶ء

[2] قبیلۂ ثقیف نے بعض شرائط کے ساتھ بعد میں اسلام قبول کرلیا۔ ابن ہشام: ۴/۱۹۴۔ ۱۹۷۔ ابن کثیر السیرۃ النبویۃ ۵/۶۵

فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ (الانعام: ۱۱۸ - ۱۱۹) — اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے وہ چیزیں بتادی ہیں جو اس نے تم پر حرام کی ہیں۔ (ان میں یہ ذبیحہ نہیں ہے)

۳۔ جو جانور اللہ کا نام لیے بغیر ذبح کیا جائے اس کا کھانا حرام ہے۔ چنانچہ قرآن نے صراحت کی ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ (الانعام: ۱۲۱) — جس جانور پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہے اسے مت کھاؤ بے شک یہ فسق ہے۔

۴۔ اسی وجہ سے جو جانور غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے۔ جیسے بت پرست قومیں بتوں کے نام سے کرتی ہیں یا استھانوں پر جانوروں کا چڑھاوا چڑھاتی ہیں، اس کا کھانا بھی حرام ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ ..... وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ (البقرہ: ۱۷۳) — تم پر حرام کیا گیا ہے .... اور وہ جانور جسے اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔

مشرکین عرب کسی آسمانی شریعت کے پابند نہیں تھے۔ انھوں نے مذہب کے نام پر حلال و حرام کے کچھ خود ساختہ طریقے اختیار کر رکھے تھے۔ مردار تک کھا جاتے اور ذبح کرتے تو دیوی دیوتاؤں کے نام پر کرتے اس لیے اسلام نے مشرکین کے ذبیحہ کو مسلمانوں کے لیے حرام قرار دیا۔ اس کے برخلاف اہل کتاب خدا اور وحی و رسالت کو اصولی طور پر مانتے اور اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے اس لیے ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ۔ (المائدہ: ۵) — آج تمہارے لیے تمام پاک چیزیں حلال کر دی گئیں اور ان لوگوں کا کھانا بھی تمہارے لیے حلال ہے جن کو کتاب دی گئی اور تمہارا کھانا ان کے لیے بھی حلال ہے۔

آیت میں 'طعام' کا لفظ آیا ہے جس کے معنی کھانے کے ہیں۔ اس میں گو عموم پایا جاتا ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس سے ذبیحہ مراد ہے[1]۔ یہی بات

[1] امام بخاری فرماتے ہیں۔ قال ابن عباس طعامہم ذبائحہم۔ بخاری، کتاب الذبائح والصید

متعدد تابعین سے مروی ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ مسلمانوں کے لیے حلال ہے، اس لیے کہ وہ غیر اللہ کے نام سے ذبح کو حرام سمجھتے ہیں اور اللہ ہی کے نام سے ذبح کرتے ہیں[۱]

علامہ ابن رشد کہتے ہیں کہ علماء کا اجماع ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے۔ تفصیلات میں بعض باتوں میں اتفاق ہے اور بعض میں اختلاف[۲]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو ناپسند کرتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے ذبیحہ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں محسوس کرتے تھے[۳]

علامہ نووی فرماتے ہیں اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے پر اجماع ہے۔ صرف شیعہ حضرات کو اس سے اختلاف ہے[۴] فقہاء احناف نے اس معاملہ میں ذمی اور حربی کا بھی فرق نہیں کیا ہے۔ ان کے نزدیک کتابی چاہے ذمی ہو یا حربی اس کا ذبیحہ حلال ہے[۵]

ایک سوال یہ ہے کہ نصاریٰ کبھی حضرت مسیحؑ کے نام پر اور کبھی کسی کنیسہ کے نام پر بھی جانور ذبح کرتے ہیں۔ یہود (کا ایک فرقہ) حضرت عزیرؑ کے نام پر ذبح کرتا ہے۔ اس طرح کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟

سلف میں بہت سے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ وہ کس کے نام سے ذبح کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے عقائد و اعمال سے واقف ہے، اس کے باوجود جب اس نے ان کا ذبیحہ حلال کیا ہے تو اسے حلال ہونا چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ صحابہ کرام میں حضرت ابو درداءؓ اور عبادہ بن صامتؓ کی رائے ہے۔ تابعین میں حضرت عطاء، زہری، ربیعہ، شعبی اور مکحولؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رائے یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اگر اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نام پر جانور ذبح کریں تو یہ

---

[۱] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۲/ ۱۹۔

[۲] تفصیل کے لیے دیکھیے جائے۔ بدایۃ المجتہد: ۱/ ۵۲۴ - ۵۲۵۔

[۳] جصاص، احکام القرآن: ۱/ ۳۹۶۔

[۴] نووی، شرح مسلم، جلد ۴ جز ۱۲ ص ۱۰۲۔

[۵] ابن عابدین، رد المحتار علی الدر المختار: ۵/ ۲۵۸۔

ہمارے لیے حلال نہ ہوگا۔ اس لیے کہ قرآن نے صاف طور پر اس جانور کو حرام قرار دیا ہے اور اس کے کھانے کی ممانعت کی ہے جو اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا گیا ہو (الانعام: ۱۲۱) تابعین میں حضرت حسن بصری اور طاؤس کی بھی یہی رائے ہے[۱]

بظاہر یہی دوسری رائے کتاب وسنت سے زیادہ قریب اور صحیح معلوم ہوتی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی مسلمان کا کتابی سے جانور ذبح کرانا مکروہ ہے لیکن جانور حلال ہوگا[۲]

غیر مسلم کے برتن

جو برتن غیر مسلم افراد یا کمپنیاں تیار کرتی ہیں ان کے خرید و فروخت یا استعمال کے مباح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ البتہ جو برتن ان کے استعمال میں ہوں ان کے بارے میں سوال یہ ہے کہ ان کا استعمال صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو اس کے ساتھ کچھ شرائط ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب متعدد احادیث میں ملتا ہے۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم لوگ ایسے علاقہ میں رہتے ہیں جہاں اہل کتاب ہیں، کیا ہم ان کے برتن کھانے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔

فان وجدتم غیرانیتھم	اگر تمہیں ان کے برتنوں کے علاوہ
فلا تأکلوا وان لم تجدوا	دوسرے برتن دستیاب ہوں تو ان کے
فاغسلوھا ثم کلوا فیھا[۳]	برتنوں میں نہ کھاؤ۔ لیکن اگر دستیاب
	نہ ہوں تو انھیں دھولو پھر ان میں کھاؤ۔

حضرت ابو ثعلبہ ہی سے مروی ایک روایت میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ساتھ مجوس کا بھی ذکر ملتا ہے۔ حضرت ابو ثعلبہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

---

[۱] نووی، شرح مسلم، جلد ۴، جزء ۱۳ ص ۱۰۲-۱۰۳۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۶/۷۶

[۲] ہدایہ: ۴/۴۴۸۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد: ۱/۵۲۴

[۳] بخاری، کتاب الصید والذبائح، باب صید القوس۔ مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب الصید بالکلاب المعلمۃ۔

انا اهل سفر ثم بالیهود والنصاریٰ والمجوس فنلا نجد غیر انیتهم قال فان لم تجدوا غیرها فاغسلوها بالماء ثم کلوا فیها واشربوا۔[1]

ہم (ہمیشہ) سفر میں رہنے والے لوگ ہیں۔ ہمارا گزر یہود، نصاریٰ اور مجوس کے علاقوں سے ہوتا ہے۔ ہمارے پاس ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن نہیں ہوتے (ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟) آپ نے فرمایا۔ اگر ان کے برتنوں کے علاوہ دوسرے برتن نہ ہوں تو تم انھیں پانی سے دھولو پھر ان میں کھاؤ اور پیو۔

ایک اور روایت میں ہے۔

سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قدور المجوس فقال انقوها غسلا واطبخوا فیها۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجوس کے کھانا پکانے کے برتنوں کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ انھیں دھو کر پاک کرلو اور پھر ان میں کھانا پکاؤ

حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ کی مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم — چاہے وہ اہل کتاب ہوں یا مجوس اور بت پرست — کے استعمالی برتن اس وقت استعمال کیے جانے چاہئیں جب کہ دوسرے برتن دست یاب نہ ہوں اور استعمال سے پہلے خوب انھیں صاف کرلینا چاہیے۔ حضرت ثعلبہؓ ہی کی ایک اور روایت سے اس کی وجہ بھی سامنے آتی ہے۔ اس روایت میں ان کا سوال ان الفاظ میں نقل ہوا ہے۔

انا نجاور اهل الکتاب وهم یطبخون فی قدورهم الخنزیر ویشربون فی انیتهم الخمر

ہم اہل کتاب کے پڑوس میں رہتے ہیں اور وہ اپنی ہانڈیوں میں خنزیر کا گوشت پکاتے اور اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں (کیا یہ برتن ہم استعمال کرسکتے ہیں؟)

---

[1] ترمذی، ابواب الصید باب ماجاء مایوکل من صید الکلب ومالایوکل

[2] ترمذی، ابواب السیر، باب ماجاء فی انیۃ المشرکین۔

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔

ان وجدتم غیرھا	اگر تمہیں ان برتنوں کے علاوہ دوسرے
فکلوفیھا واشربوا وان لم	برتن دستیاب ہوں تو تم ان ہی میں کھاؤ اور
تجدوا غیرھا فارحضوھا	پیو۔ اگر دوسرے برتن نہ ہوں تو انھیں پانی
بالماء [1]	سے دھو کر صاف کر لو۔

اس سے صاف واضح ہے کہ یہ اہل کتاب یا غیر مسلموں کے ان برتنوں کا حکم ہے جنھیں وہ حرام اور ناپاک چیزوں کے پکانے اور کھانے پینے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ جو برتن ان چیزوں کے لیے استعمال نہ ہوں انھیں اہتمام کے ساتھ پاک صاف کر کے بدرجہ مجبوری استعمال کرنے کا حکم نہ ہوگا۔ اس سے ایک بات یہ بھی نکلتی ہے کہ اچھی طرح دھو دینے کے بعد ہر طرح کے برتن استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے تھے۔ مشرکین کے کھانے پینے کے جو برتن ہاتھ آتے انھیں استعمال کرتے تھے۔ آپ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا [2]

ایک روایت میں ہے کہ ہم انھیں دھو کر استعمال کر لیا کرتے تھے [3]

امام نووی فرماتے ہیں۔ حضرت ابو ثعلبہ کی روایت میں غیر مسلم جن برتنوں میں خنزیر کا گوشت پکاتے یا شراب پیتے ہیں ان کے استعمال سے، اگر دوسرے برتن موجود ہوں تو، منع کیا گیا ہے کیونکہ اس میں کراہت محسوس ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ جو دوسرے برتن ہیں، فقہا، کے نزدیک وہ دھونے کے بعد پاک ہو جاتے ہیں۔ ان میں کوئی کراہت باقی نہیں رہتی۔ آدمی کے پاس دوسرے برتن ہوں تو بھی انھیں وہ استعمال کر سکتا ہے [4]

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ غیر مسلم کے برتنوں کو استعمال کرنے سے پہلے انھیں دھونے اور بعض صورتوں میں پانی کھولا کر انھیں صاف کرنے کی ہدایت اس لیے ہے کہ وہ نجاسات سے بچتے نہیں ہیں اور مردار کھاتے ہیں۔ دھوئے بغیر پکانے میں برتن مٹی کے ہوں تو ان

---

[1] ابوداؤد، کتاب الاطعمہ، باب فی استعمال آنیۃ اہل الکتاب

[2] ابوداؤد حوالہ سابق۔ [3] ابن حجر، فتح الباری: ۹/ ۶۲۳

[4] نووی، شرح مسلم، جلد ۵، جزء ۱۳ ص ۷۹ - ۸۰

کے اثرات آسکتے ہیں۔ دھونے اور صاف کرنے کے بعد ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ برتن سونے اور چاندی کے نہ ہوں یا خنزیر کے کھال سے نہ بنے ہوں (جیسے مشکیزہ وغیرہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ضرورت ہو اور برتن تانبے یا لوہے کے ہوں تو انھیں دھو دیا جائے اور مٹی کے ہوں تو اس میں پانی پکانے کے بعد دھو دیا جائے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ جو برتن وہ کھانا پکانے کے لیے نہیں بلکہ دوسری ضرورتوں کے لیے استعمال کرتے ہیں انھیں دھوئے بغیر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1]

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ کسی غیر مسلم کے برتن سے طہارت حاصل کی جائے اور اس کا پاک یا ناپاک ہونا واضح نہ ہو تو اگر غیر مسلم کا تعلق کسی ایسی قوم سے ہے جس کے نزدیک اس برتن کے استعمال سے کوئی مذہبی جذبہ یا تقدس وابستہ نہیں ہے تو قطعی طور پر طہارت صحیح ہو جائے گی لیکن اگر اس کا تعلق کسی ایسی قوم سے ہے جس کے نزدیک اس برتن کے استعمال میں کوئی دینی جذبہ یا تقدس پایا جاتا ہے تو بھی صحیح مسلک یہی ہے کہ طہارت ہو جائے گی۔ امام اوزاعی، ثوری، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ان کے اصحاب اس برتن کے استعمال میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ ابن منذر کہتے ہیں کہ امام احمد اور اسحٰق بن راہویہ کے علاوہ مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے بھی اسے ناپسند کیا ہو۔[2]

غیر مسلم کے کپڑے

غیر مسلم تاجروں یا ان کے کارخانوں کا تیار کردہ کپڑے کا استعمال بالاتفاق جائز ہے۔ البتہ ان کے استعمال شدہ کپڑوں کے بارے میں علماء کے ہاں کچھ تفصیل ملتی ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں کہ اہل کتاب کے استعمال شدہ کپڑے جیسے عمامہ، طیلسان (وہ چادر جو لباس کے اوپر عبا کی طرح اوڑھی جاتی ہے) یا بدن کے اوپر کے حصہ میں استعمال ہونے والے کپڑے تو یہ استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ البتہ جسم کے نچلے حصہ کے لیے جو کپڑے استعمال ہوتے ہیں ان سے احتراز اولیٰ ہے۔ اس لیے کہ یہ لوگ عبادت کے

---

[1] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۶/۷۸

[2] عینی، عمدۃ القاری: ۲/۲۹۱

لیے طہارت کا خیال نہیں رکھتے۔ ابو الخطاب کہتے ہیں کہ اصل طہارت ہے۔ جب تک کسی کپڑے کے ناپاک ہونے کا ثبوت نہ ہو اسے پاک ہی سمجھنا چاہیے۔[۱]

غیر اہل کتاب، مجوسیوں اور بت پرستوں کے برتنوں اور کپڑوں کے بارے میں ابو الخطاب کہتے ہیں کہ ان کا حکم بھی اہل کتاب ہی کا ہے۔ یعنی ان کے کپڑے اور برتن پاک سمجھے جائیں گے اور ان کا استعمال جائز ہوگا جب تک کہ ان کے نجس ہونے کا یقین نہ ہو۔ یہی امام شافعی کا مسلک ہے۔

یہ تو استعمالی کپڑوں کا حکم ہے۔ وہ کپڑے جو غیر مسلم تیار کرتے ہیں وہ پاک ہیں۔ ان میں نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ یہی کپڑے استعمال کرتے تھے۔ فقہاء کی عام رائے یہی ہے۔[۲]

غیر مسلموں سے معاشرتی روابط پر اس سے پہلے اس سلسلہ کے مضامین میں بحث آچکی ہے۔ اللہ نے چاہا تو مزید بعض اور پہلوؤں کی آئندہ وضاحت ہوسکے گی۔

---

[۱] ابن قدامہ، المغنی: ۱/۸۳ [۲] حوالہ سابق ص ۸۲

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی ایک اہم پیش کش

مولانا سید جلال الدین عمری کے قلم سے

اسلام اور مشکلات حیات

- اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں پر مشکلات اور مصائب کیوں آتے ہیں؟
- اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ملی اور اجتماعی، شخصی اور انفرادی مشکلات سے کیوں گزارا جاتا ہے؟
- امراض، جسمانی تکالیف، مالی مشکلات، حادثات اور صدمات میں ایک مومن کا کیا رویہ ہونا چاہیے؟
- مرض اور مشکلات حیات میں خودکشی کیوں ناجائز ہے؟
- مرض کی شدت میں کسی کی جان کیوں نہیں لی جاسکتی؟

یہ کتاب قرآن وحدیث کی روشنی میں ان سوالات کا جواب فراہم کرتی ہے، مؤثر انداز بیان، دل نشیں بحث اور علمی اسلوب، افسٹے کے حسین طباعت، خوب صورت سرورق۔ ضخامت ۸۸ صفحات۔ قیمت ۸ روپے

ملنے کا پتہ: مینجر مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

علم درایت اور موضوع روایات

ڈاکٹر محمد سلیم

کسی بھی حدیث کی کیفیت جاننے کے لیے علم روایت اور علم درایت دونوں ہی ضروری ہوتے ہیں۔ علم روایت سے مراد وہ علوم ہیں جن کے ذریعہ رجال حدیث کی تحقیق وتفتیش کی جاتی ہے اور علم درایت سے مراد وہ علم ہے جس کی بنیاد پر متنِ حدیث کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے۔ اسلاف نے حدیث کی کیفیت جاننے کے لیے دونوں طرح کے علوم ایجاد کیے۔ یہ دونوں ہی علوم اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ یعنی اگر کسی بات کی حقیقت اور صداقت کو پرکھنے کے لیے یہ معلوم کرنا بھی اہمیت رکھتا ہے کہ اس کا بیان کرنے والا کون اور کیسا ہے اس کی دینی اور اخلاقی حالت کیا ہے۔ وہ سچا ہے یا جھوٹا۔ اسی طرح یہ جاننا بھی بے حد ضروری ہے کہ جو بات کہی جارہی ہے اس میں صداقت کا امکان کس حد تک ہے۔ حالات کے پیش نظر کیا ایسا ممکن بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ حدیث کی کیفیت جاننے کے لیے علم راوی اور مروی دونوں ہی ضروری ہیں۔ ان دونوں میں سے اگر کسی ایک کو بھی نظر انداز کیا جائے تو حدیث کی حقیقت وماہیت تک رسائی مشکل ہوگی۔

علم درایت جس کا موضوع متن حدیث ہے رجال کی تحقیق کی بہ نسبت زیادہ کٹھن اور مشکل کام ہے نقد متن کے لئے اصولِ درایت سے زیادہ فنی ذوق کی ضرورت ہوتی ہے جو حدیث رسول سے بہت زیادہ ممارست کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے جس طرح ایک جوہری جوہر پرکھنے کے راز کو مدتوں اس میں وقت لگانے کے بعد حاصل کرتا ہے اور پھر اس کی بنیاد پر کسی پتھر کو ہیرا یا خزف ریزہ قرار دینے کی پوزیشن میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ابن دقیق العید اس فن کی بابت فرماتے ہیں: "حصلت لهم لكثرة محاولة الفاظ النبي صلى الله عليه وسلم هيئة نفسانية وملكة قوية يعرفون بها مايجوز ان يكون من الفاظ النبوة ومالايجوز" (الفاظ حدیث سے بکثرت ممارست کے نتیجہ میں ایک روحانی ہیئت اور قومی ملکہ حاصل ہوتا ہے جس سے معرفت ہوتی ہے کہ

الفاظ نبوی کیا ہو سکتے ہیں اور کیا نہیں)

یا اس فن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی کی برسوں خدمت کرے اور اس کی پسند و ناپسند سے اس طرح واقف ہو جائے کہ کوئی شخص اگر اس کے خلاف رائے دیتا ہو تو وہ اپنے تجربہ کی روشنی میں اس کی تردید کرے۔ اسی طرح حدیث کی معرفت کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ رسول کی زندگی کے ایک ایک پہلو سے اچھی طرح واقفیت ہو اور آپؐ کی ہر پسند و ناپسند کا پورا علم ہو۔ چنانچہ ایک مرتبہ حافظ ابن قیم سے پوچھا گیا کہ کیا کسی حدیث کی صحت کا پتہ بغیر اس کی سند دیکھے لگایا جا سکتا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ "یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جسے سنن صحیحہ کی معرفت میں سیرابی حاصل ہو اور وہ اس کے خون و گوشت میں رچ بس گئی ہو اور سنن و آثار اور رسول اللہ کی سیرت پہچانتے ہیں، حضور جس چیز کا حکم دیتے تھے اور جس سے منع فرماتے تھے، جس بات کی خبر دیتے تھے، جس کی طرف دعوت دیتے تھے جس چیز کو پسند فرماتے تھے اور جس چیز کو برا سمجھتے تھے اور جس چیز کو امت کے لیے مشروع قرار دیتے تھے۔ ان سب چیزوں کو جاننے میں اسے ملکہ اور حد درجہ اختصاص حاصل ہو گیا ہو۔ گویا وہ آپؐ کے اصحاب میں سے ایک فرد ہو اور رسولؐ اس کے سامنے ہوں۔[۲]

علم درایت کی بنیاد قرآن میں بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یاایہا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسقٌ بنبا فتبینوا[۳] "(اے ایمان والو! جب تمہارے پاس کوئی فاسق کسی بات کی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو) اسی طرح حدیث رسول میں بھی ہے "کفی باء المرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع"[۴] (آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی چیز کو، بغیر سوچے سمجھے، بیان کر دے)

اگرچہ یہ علم بحیثیت فن بعد میں وجود میں آیا لیکن اس کی ابتداء دور صحابہ ہی میں ہو چکی تھی، صحابہ جب کسی ایسی حدیث کو سنتے جو قرآنی تعلیمات یا سنت نبوی سے مطابقت نہ رکھتی تو اس پر بلا جھجک تنقید کرتے اس کا راوی خواہ کوئی بھی ہوتا۔ مثلاً حضرت عائشہ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی کہ نوحہ کرنے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے تو انھوں نے فرمایا: "حسبکم القرآن ولا تزر وازرۃ وزر اخری"[۵] (تمہارے لئے قرآن کافی ہے کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ ہی کے سامنے جب یہ روایت بیان کی گئی کہ جو شخص جنابت

کی حالت میں صبح کرے وہ روزہ نہ رکھے، تو سیدہؓ نے فرمایا: "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یدرکہ الفجر وھو جنب من اھلہ ثم یغتسل ویصوم" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنابت کی حالت میں صبح کو بیدار ہوتے تو غسل فرماتے اور روزہ بھی رکھتے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوایوب انصاری نے محمود بن ربیع کو کہتے سنا "فاذا اللہ قد حرم علی النار من قال لا الہ الا اللہ یبتغی بذالک وجہ اللہ" (جس نے محض اللہ کے لیے لا الہ الا اللہ کہا تو اللہ اس پر نار جہنم حرام کردے گا) تو فرمایا "واللہ ما اظن رسول اللہ قال ماقلت قط" (خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ نے یہ کبھی نہ فرمایا ہوگا جو تم نے کہا۔

دور صحابہ میں اسطرح کی اور بھی مثالیں پائی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے زمانہ میں نقد حدیث کا رواج تھا۔ لیکن اصل ضرورت اس کی اس وقت پیش آئی جب خلافت راشدہ کے اواخر میں خانہ جنگی کے نتیجہ میں سیاسی اغراض کے لیے جھوٹی حدیثیں بنائی جانے لگیں۔ ان حالات میں ایک طرف تو محدثین نے رجال کی تحقیق و تفتیش شروع کی دوسری طرف فقہا، حدیث کے متن کی جانچ و پرکھ کرنے لگے۔ محدثین نے راویوں کی جانچ و پڑتال کے لیے مختلف علوم فنون جیسے علم الاسناد، علم تاریخ الرواۃ، علم جرح و تعدیل اور علم مصطلح الحدیث ایجاد کیے تو دوسری طرف فقہاء نے نقد متن کے لیے اصول درایت وضع کیے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ سے مندرجہ ذیل اصولِ درایت منقول ہیں۔

(۱) حدیث کا متن مشہور سنت کے خلاف نہ ہو خواہ وہ سنت قولی ہو یا فعلی۔

(۲) حدیث کا متن صحابہ اور تابعین کے درمیان نہ ٹکراتا ہو خواہ ان کا وطن ایک ہی شہر میں ہو یا الگ الگ شہروں میں۔

(۳) حدیث کا متن عمومات یا ظواہر کتاب اللہ کے خلاف نہ ہو، اس لیے کہ کتاب قطعی الثبوت ہے اور اس کے ظواہر و عمومات قطعی الدلالۃ ہیں اور قطعی بہرحال ظنی پر مقدم ہوتا ہے۔ لیکن اگر حدیث عمومات قرآن اور ظواہر قرآن کی مخالفت کے بجائے اس کے مجمل کا بیان ہو تو اسے اس وقت تک قبول کیا جائے گا جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل نہ قائم ہوجائے۔

(۴) حدیث کا متن اگر قیاس جلی کے خلاف ہو تو اس کا راوی فقیہ ہونا ضروری ہے اس لیے

کہ اگر راوی فقیہہ نہیں تو اس بات کا امکان باقی رہتا ہے کہ راوی نے روایت بالمعنی بیان کی ہو اور اس میں اس سے خطا واقع ہو گئی ہو۔

(۵) حدیث کا متن اگر بلوی (مصیبت اور آزمائش) جیسے حدود و کفارات کو بیان کرتا ہو جو شبہات کے ذریعہ ختم ہو جایا کرتی ہیں اور عام طور پر اس کے سننے اور جاننے والے ہمیشہ ایک سے زاید ہوتے ہیں تو ایسی حدیث کا مشہور ہونا ضروری ہے یا اسے امت نے قبول کیا ہو۔

(۶) حدیث کے متن میں سلف میں کسی نے طعن نہ کیا ہو۔

(۷) راوی کا عمل روایت کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث کہ "کتا" اگر کسی برتن میں منھ ڈال دے تو اس کا سات مرتبہ دھونا ضروری ہے" حضرت ابوہریرہؓ کا عمل اس حدیث کے خلاف تھا۔

(۸) حدیث کے متن یا سند میں کسی زیادتی کی صورت میں راوی کا بیان ثقاۃ سے علاحدہ نہ ہو اگر ایسا ہے تو ثقہ راویوں کی روایت کو قبول کیا جائے گا اور منفرد راوی کے اضافہ کو رد کر دیا جائے گا۔[۵]

فقہا میں امام مالک نقد متن کے لیے جمہور اہل مدینہ کے عمل کو بنیاد بناتے تھے چنانچہ محمد ابوزہرہ نے نقل کیا" فاشترط الامام مالک فی قبول خبر الواحد ان یعمل علی خلافہ الجمہور الجم الغفیر من اھل المدینہ اذ ان عملھم بمنزلۃ روایتھم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وروایۃ جماعۃ عن جماعۃ اولی بالقبول من روایۃ فرد عن فرد"[۶] (امام مالک نے قبولیت حدیث کے لیے یہ شرط رکھی کہ اس کا متن جمہور اہل مدینہ کے عمل کے خلاف نہ ہو اس لیے کہ اہل مدینہ کا عمل رسول اللہ سے بمنزلۂ روایت کے ہے اور ایک جماعت کا دوسری جماعت سے روایت کرنا قبولیت کے اعتبار سے زیادہ اولیٰ ہے بہ نسبت ایک فرد کا دوسرے فرد سے)

دوسری صدی میں فقہاء ان اصولوں کی روشنی میں حدیثوں کی جانچ و پرکھ کرتے تھے اور ہر وہ روایت جو ان اصولوں کے خلاف واقع ہوتی اسے غیر معتبر قرار دیتے خواہ اس کا راوی کوئی بھی ہوتا۔ اس کے بعد اس علم میں اور ترقی ہوئی تو اس کے مزید اصول وضع کیے گئے اور ان اصولوں پر پوری نہ اترنے والی روایت کو موضوع قرار دیا جاتا۔ چنانچہ چھٹی صدی ہجری میں ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) نے اس فن میں بڑے شاندار کارنامے انجام دئے۔ انھوں

نے درایت کے نئے اصول وضع کرنے کے ساتھ ساتھ ہزاروں کی تعداد میں موضوع روایات کو ذخیرۂ حدیث سے الگ کیا اور پھر ان روایات کو "کتاب الموضوعات" کے نام سے جمع کر دیا جو آج بھی محفوظ ہیں۔

ابن جوزی کے علاوہ، ابن قیم (م ۷۵۱ھ) علامہ سخاوی (م ۹۰۲ھ) علی القاری (م ۱۰۱۴ھ) اور طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ) اور دوسرے ائمہ نے بھی اس فن میں بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ذیل میں ان اصول درایت کو اختصار کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے جو ان ائمہ سے منقول ہیں اور اسی کے ساتھ موضوع روایات کی بعض مثالیں بھی جنھیں ان اصولوں کے تحت موضوع قرار دیا گیا۔

(۱) حدیث کا متن عقل کے خلاف ہو جس کی کوئی تاویل نہ کی جا سکے جیسے:

ردا الشمس لعلی[۱] (حضرت علی کے لیے سورج ڈوبنے کے بعد لوٹا دیا جانا)

حمل علی باب خیبر[۲] (حضرت علی نے خیبر کا دروازہ اکھاڑ پھینکا)

(۲) حدیث کا متن محسوسات اور مشاہدات کے خلاف ہو۔ مثلاً۔ ان الارض علی صخرۃ والصخرۃ علی قرن ثور فاذا حرک الثور قرنہ تحرکت الصخرۃ فتحرکت الارض وھی الزلزلۃ[۳] (زمین چٹان پر ہے اور چٹان بیل کی سینگ پر ہے جب بیل اپنی سینگ کو ہلاتا ہے تو چٹان ہلتی ہے جس کے نتیجہ میں زمین ہلتی ہے اسی کا نام زلزلہ ہے)

المرء علی دین خلیلہ فلینظر بمن یخالل[۴] (آدمی اپنے دوست کے مذہب پر ہوتا ہے تو چاہیئے کہ دیکھے وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔)

(۳) حدیث کا متن قرآنی صراحت کے خلاف ہو۔ جیسے:

لایدخل الجنۃ ولد الزنا[۵] (ولد زنا جنت میں نہیں داخل ہوگا)

یہ روایت قرآن کی آیت: ولا تزر وازرۃ وزر اخری[۶] (کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) کے خلاف ہے۔

(۴) حدیث کا متن سنتِ نبوی کے خلاف ہو سنت خواہ قولی ہو یا فعلی۔ جیسے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم والخلفاء کانوا یخطبون من جلوس[۷] (نبی اور خلفاء راشدین بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے) حالانکہ آپؐ کا اور آپ کے بعد خلفاء راشدین کا کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا معمول تھا جس کی تائید میں بہت سی احادیث ہیں چنانچہ جب یہ روایت حضرت سمرہ کے سامنے بیان کی گئی تو فرمایا کہ جس نے یہ حدیث بیان کی اس نے جھوٹ کہا۔[۸]

(۵) حدیث کا متن اجماع قطعی کے خلاف ہو۔ جیسے :
تمام وہ روایات جن میں حضرت علی کے لیے "وصی" (میرے وارث)، "خلیفتی من بعدی"[۱۸] (میرے بعد میرے جانشین) جیسے الفاظ آتے ہیں وہ تمام کے تمام موضوع ہیں۔
اس لیے کہ اجماع امت سے یہ بات ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی کی تولیت کا حکم نہیں فرمایا۔

(۶) حدیث میں ذرا سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو۔ جیسے :
من تکلم بکلام الدنیا فی المسجد احبط اللہ اعمالہ اربعین سنۃ[۱۹] (جس نے مسجد میں کوئی دنیاوی بات کہی تو خدا اس کے چالیس سال کے اعمال ضائع کر دے گا۔)
من ترک الصلوٰۃ حتی مضی وقتہا ثم قضی عذب فی النار حقبا والحقب ثمانون سنۃ والسنۃ ثلثمائۃ وستون یوما کل یوم کان مقدارہ الف سنۃ[۲۰] (جس نے ایک نماز ترک کی یہاں تک اس کا وقت گزر گیا پھر اس کی قضا کی تو اسے جہنم میں ایک حقب عذاب دیا جائے گا۔ ایک حقب اسی سال کا ہوگا اور ایک سال تین سو ساٹھ دن کا ہوگا اور ایک دن کی مقدار ایک ہزار برس ہوگی۔)

(۷) حدیث میں معمولی کام پر بھاری اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہو۔ جیسے :
من صام یوم عاشوراء کتب اللہ لہ عبادۃ ستین سنۃ[۲۱] (جس نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا اللہ اس کے لیے ساٹھ سال کی عبادت لکھ دے گا۔) ایسی روایات سے فرض اعمال کی اہمیت گھٹتی ہے اس لیے انھیں موضوع قرار دیا گیا۔

(۸) حدیث کے متن میں رکاکت پائی جائے یا ایسی بات جو شان نبوت کے خلاف ہو جیسے
ثلاثۃ تزید فی البصر النظر الی الخضرۃ والماء الجاری والوجہ الحسن[۲۲] (تین چیزوں سے بصارت میں اضافہ ہوتا ہے۔ سبزہ، بہتا ہوا پانی اور خوبصورت چہرہ کی طرف دیکھنا۔)

(۹) واضع حدیث خود اقرار کرے یا قرائن سے اس کا پتہ چل جائے۔
وضاعین حدیث میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو وضع حدیث کو اجر و ثواب کا کام سمجھ کر کرتا تھا۔ غلام خلیل اسی گروہ سے تعلق رکھتا تھا جب اس سے رقائق کے موضوع پر گھڑی ہوئی حدیثوں کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ "ہم نے انھیں اس لیے وضع کیا کہ لوگوں کے دل نرم ہوں"[۲۳]۔

اسی طرح ابوعبداللہ محمد بن الکرام السجستانی، جس کے متبعین "کرامیہ" کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے مذہب میں وضع حدیث جائز تھا۔[۲۶] ان لوگوں نے مندرجہ ذیل نوعیت کی احادیث وضع کیں۔

من قرأ سورۃ الکہف لیلۃ الجمعۃ اعطی نورا من حیث قرأھا الی مکۃ وغفرلہ الی الجمعۃ الاخری[۲۷] (جس نے جمعہ کی رات سورہ الکہف کی تلاوت کی اسے اس جگہ سے مکہ تک نور عطا کیا جائے گا اور آئندہ جمعہ تک کے اس کے گناہ معاف کردئے جائیں گے) من قرأ ایۃ الکرسی فی دبر صلوٰۃ لم یمنعہ من دخول الجنۃ الا الموت ومن قرأھا حین یاخذ مضطجعہ امنہ اللہ علی دارہ ودار جارہ ودویرات حولہ۔[۲۸] (جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی کی تلاوت کرے تو اسے موت کے سوا کوئی چیز جنت میں جانے سے روک نہیں سکتی۔ اور جو اسے سوتے وقت پڑھے اللہ اس کا اور اس کے پڑوسیوں کے گھر اور ان کے اردگرد کے گھروں کی حفاظت کرتا ہے۔)

(۱۰) حدیث کا مضمون قواعد طب کے متفقہ اصولوں کے خلاف ہو۔ جیسے:

یاحُمیراء لا تغسلی بماء الشمس فانہ یورث البرص[۲۹] (اے حمیراء (عائشہؓ) سورج کے گرم پانی سے غسل نہ کرو اس سے برص پیدا ہوتا ہے)

(۱۱) شہوت و فساد کی طرف رغبت دلاتی ہو۔ مثلاً

شھوۃ النساء تضاعف شھوۃ الرجال[۳۰] (عورت کی جنسی شہوت مرد کی شہوت سے زیادہ ہوتی ہے۔

اذا جامع احدکم زوجتہ فلا ینظر الی فرجھا[۳۱] (جب تم میں کوئی اپنی بیوی سے جماع کرے تو اس کی شرمگاہ کو نہ دیکھے۔

(۱۲) حدیث عصر نبوی کے معروف تاریخی واقعات اور حقائق کے خلاف ہو۔ مثلاً:

وضع الجزیۃ عن اھل خیبر[۳۲] (اہل خیبر سے جزیہ معاف کردیا گیا۔) جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک جزیہ کا حکم ہی نہیں نازل ہوا تھا اور نہ عرب اسے جانتے تھے۔ جزیہ کا حکم غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوا۔[۳۳]

دخلت الحمام فرأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالسا وعلیہ مئزر[۳۴] (میں حمام میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ پر ایک تہبند ہے۔) عرب

عہد نبوی تک لفظ "حمام" سے واقف نہ تھے حمام کا رواج عباسی خلافت کے زمانہ میں ہوا جب سے یہ لفظ عرب کے استعمال میں آیا۔[۳۳]

(۱۳) ایسی روایات جو فاقہ کشی اور رہبانیت کی ترغیب دلاتی ہوں جیسے:

حبّ الدنیا رأس کل خطیئۃ[۳۴] (دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے)

رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر قالوا وما الجہاد الاکبر قال جہاد القلب[۳۵]۔ (آپؐ نے ایک غزوہ سے واپسی پر فرمایا کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف جا رہے ہیں تو لوگوں نے کہا کہ جہاد اکبر کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ نفس کے خلاف جنگ (جہاد القلب) اس طرح کی روایات زہاد و صوفیاء نے وضع کیں جو خود گوشہ نشین تھے اور دوسروں کو اس کی دعوت دیتے تھے۔

(۱۴) حدیث کے متن میں کوئی ایسی بات مذکور ہو جس کے سننے اور جاننے والے بلا کسی عذر کے کثرت سے ہو سکتے تھے مگر سوائے ایک راوی کے اسے کوئی دوسرا راوی بیان نہیں کرتا: جیسے:

انہ اخذ بید علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بمحضر من الصحابۃ کلہم وہم راجعون من حجۃ الوداع فاقامہ بینہم حتی عرفہ الجمیع ثم قال ہٰذا وصی واخی والخلیفۃ من بعدی فاسمعوا لہ واطیعوا[۳۶] (حجۃ الوداع سے واپسی پر، مقام غدیر خم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کے سامنے حضرت علی بن ابی طالب کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ یہ میرا وارث ہے اور میرا بھائی بھی اور میرے بعد خلیفہ، تو تم لوگ اس کی بات سننا اور اطاعت کرنا۔)

(۱۵) حدیث کا متن حکمت و اخلاق کے عام قدروں کے منافی ہو۔ مثلاً:

ثلاث لا یُرکن الیہا الدنیا والسلطان والمرأۃ[۳۷] (تین چیزوں پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا، سلطان اور عورت)

ایاکم وخضراء الدمن[۳۸] (گھورے پر جمی ہوئی سبزی سے بچو) یعنی ایسی عورت سے پرہیز کرو جو ظاہری طور پر دیکھنے میں حسین اور خوبصورت ہو مگر اس کا باطن خراب ہو۔

ایسے ابواب جن میں ایک روایت بھی صحیح نہیں

محدثین نے اصول درایت کے تحت مذکورہ بالا انواع کی روایات کو موضوع قرار

دینے کے علاوہ بہت سے ایسے ابواب کا بھی پتہ لگایا جن میں ایک روایت بھی صحیح نہیں جیسے:

(۱) یوم عاشورار کے موقع پر بعض اعمال کی فضیلت یا ممانعت: جیسے سرمہ لگانا، زینت اختیار کرنا اور اہل وعیال پر اس دن خوب خرچ کرنا۔ یا اس کے مقابلہ میں اس دن سوگ منانا۔ ان دونوں طرح کی روایات کو بدعتی فرقوں نے وضع کیا۔[۳۹]

(۲) ایسی روایات جن میں احمد یا محمد نام رکھنے کو نجات کا ذریعہ قرار دیا گیا: جیسے:

اُقسمت علی نفسی ان لا یدخل النار من اسمہ احمد ولا محمد[۴۰] (میں قسم کھاتا ہوں کہ ایسا شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا جس کا نام احمد یا محمد ہوگا۔) اس طرح کی روایات اس لیے موضوع قرار دی گئیں کہ یہ بات دین کے ذریعہ ثابت ہے کہ کوئی شخص نام یا لقب کے ذریعہ دوزخ سے نجات نہیں حاصل کرسکتا۔ نجات صرف اعمال صالحہ کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے۔

(۳) حیاۃ خضرؑ سے متعلق احادیث جن میں انھیں زندہ وجاوید ہستی تصور کیا گیا ہے۔ وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ امام بخاری، ابن تیمیہ، ابن جوزی اور دیگر ائمہ نے حیاۃ خضر کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ ان میں ایک روایت بھی صحیح نہیں۔ ابن جوزی نے تو یہاں تک کہا کہ حیاۃ خضر کا تصور قرآن، سنت، اجماع اور عقل کے خلاف ہے۔[۴۱]

(۴) مختلف پیشوں کی تحقیر اور مذمت: اس طرح کی روایات اسلام کے بنیادی اصول کے خلاف ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم[۴۲] (تم میں سب سے مکرم اللہ کے نزدیک وہ بندہ ہے جو تم میں زیادہ متقی ہو) اس لیے اس باب میں ایک روایت بھی صحیح نہیں۔ اس طرح کی موضوع روایات کی مثال یہ روایت ہے: "بخلاء امتی الخیاطون"[۴۳] (میری امت کے بخیل درزی ہیں۔)

(۵) کسی علاقہ، ملک، قوم، خاندان یا طبقہ کی تحقیر یا مذمت: اس طرح کی روایات ذاتی عناد اور تعصب کی بنیاد پر وجود میں آئی۔ ان میں حبشہ، سوڈان اور ترکوں کی مذمت کرنے والی تمام احادیث شامل ہیں۔ جیسے یہ روایت: شرار الرقیق الزنجی اذا شبعوا زنوا وان جاعوا سرقوا[۴۴] (سب سے برے غلام حبشی ہیں شکم سیر ہوتے ہیں تو زنا کرتے ہیں اور بھوکے ہوتے ہیں تو چوری کرتے ہیں)

(۶) ابدال، اقطاب، اغواث، نقباء، نجباء اور اوتاد کے سلسلہ کی تمام روایات موضوع ہیں جیسے:

الابدال اربعون رجلا واربعون امراۃ، کلما مات رجل بدل اللہ مکانہ رجلا وکلما مات امراۃ بدل اللہ مکانہا امراۃ[۴۵] (چالیس مرد اور چالیس عورتیں ابدال ہیں ان میں جب کسی مرد یا عورت کا انتقال ہوجاتا ہے تو اللہ اس کی جگہ دوسرے کو پیدا فرمادیتا ہے۔)

(۷) فرقۂ صوفیہ: اس عنوان کے تحت تمام روایات موضوع ہیں[۴۶]

(۸) اویس قرنی: اویس قرنی (تابعی) سے متعلق تمام روایات موضوع ہیں۔ امام مالک بن انس نے فرمایا کہ اس نام کا کوئی بھی آدمی نہیں[۴۷]

نسخ موضوعہ

ان کے علاوہ بعض بہت مشہور نسخے بالکل جعلی ہیں ان میں ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ جیسے:

(۱) الاربعون الودعانیہ۔ اس نسخہ کو وضع کرنے والا زید بن رفاعہ ہے اور زید بن رفاعہ سے ابن ودعان نے چوری کیا[۴۸]

(۲) رسائل اخوان الصفا۔ اس نسخہ کو بھی وضع کرنے والا زید بن رفاعہ ہے۔[۴۹]

(۳) وصایا علی۔ اس نسخہ کو حماد بن عمرو النصیبی نے وضع کیا[۵۰]

ائمہ حدیث نے علم درایت کے ذریعہ ہزاروں کی تعداد میں موضوع روایات کو ذخیرۂ حدیث سے الگ کیا ان میں بہت سی ایسی روایات شامل ہیں جن کی سندیں صحیح معلوم ہوتی تھیں اور وہ حدیث کی مستند کتابوں میں مندرج تھیں مثال کے طور پر مندرجہ ذیل روایات:

(۱) اللہ نے زمین کو سنیچر کے دن، اس میں پہاڑوں کو اتوار کے دن، درختوں کو پیر کے دن اس کی ناپسندیدہ چیزوں کو منگل کے دن، نور کو بدھ کے دن، جانوروں کو جمعرات کے دن اور آدم کو مخلوق میں سب سے آخر میں جمعہ کے دن آخری ساعات یعنی عصر اور رات کے درمیان پیدا فرمایا[۵۱]

اس روایت کو محدثین نے اس لیے موضوع قرار دیا یہ قرآنی صراحت کے خلاف ہے۔ قرآن میں ہے: خلقنا السموات والارض وما بینہما فی ستۃ ایام[۵۲] (اللہ نے زمین اور آسمان اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ روز میں پیدا کیا۔) لیکن مذکورہ بالا روایت کی رو سے پیدائش کی مدت سات روز بیان کی گئی۔ دوسرے یہ کہ اس روایت میں آسمان کی پیدائش کا ذکر ہی نہیں صرف زمین اور اس کی اشیاء کو سات دن میں پیدا کرنے

کا ذکر ہے جبکہ قرآن میں زمین اور اس کی چیزوں کو چار دن میں پیدا کیے جانے کا ذکر ہے[۵۳]

(۲) "اسلام غربت سے شروع ہوا پھر اسی حالت میں لوٹ جائے گا جیسا شروع ہوا تھا اور مدینہ میں سمٹ جائے گا جیسے سانپ سمٹ کر اپنے بل میں بیٹھ جاتا ہے"[۵۴]

(۳) "یہود و نصاریٰ" بہتر فرقے ہوئے اور مسلمان تہتر فرقے ہو جائیں گے"[۵۵]

یہ اور اس قسم کی دیگر روایات جن میں اسلام کے زوال اور پامال ہونے کی آرزوئیں یا مسلمانوں کے ہلاک ہونے کی تمنائیں شامل ہوں قرآنی آیات "ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ"[۵۶] (اسی نے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے) یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون[۵۷] (کافر لوگ چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کی روشنی کو اپنے منہ سے بجھا دیں مگر اللہ اسے ضرور پورا کرے گا خواہ کافروں کو یہ بات ناگوار گزرے) کے خلاف ہیں۔ ایسی روایات یہود و نصاریٰ وضع کرتے تھے جو اسلام کو پھلتا اور پھولتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔

اگرچہ ان روایات کے راوی نہایت ثقہ ہیں مگر چونکہ ان کا متن قرآنی صراحت کے خلاف واقع ہے اس لیے انھیں موضوعات کی فہرست میں شمار کیا گیا۔ ایسی روایات میں بخاری و مسلم کی ایک ایک، سنن ابوداؤد کی نو، ترمذی کی تیس[۳۰] نسائی کی دس ابن ماجہ کی تیس[۳۰] اور مسند احمد بن حنبل کی اڑتیس روایات شامل ہیں جنھیں امام ابن جوزی نے موضوع قرار دیا۔ ابن جوزی کے علاوہ دیگر ائمہ نے بھی ان کتب کی مرویات کو نقد و تحقیق کا موضوع بنایا اور بہت سی موضوع روایات کی نشاندہی کی۔

ائمہ حدیث نے علم درایت کی ایجاد کر کے نقد متن میں بڑی گرانقدر خدمات انجام دیں۔ وہ موضوع روایات جو علم روایت کے ذریعہ ذخیرہ احادیث سے خارج نہ ہو سکیں ان کی نشاندہی اس علم کی بنیاد پر کی گئی۔

اگرچہ ذخیرۂ حدیث سے بڑی تعداد میں موضوع روایات کو خارج کر دیا گیا تاہم اس علم کی ضرورت ابھی ختم نہیں ہوئی۔ ذخیرہ میں اب بھی بہت سی ادویات موجود ہیں جن کا متن تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ایسی روایات زیادہ تر فضائل، ترغیب و ترہیب اور مواعظ و قصص کے ابواب میں پائی جاتی ہیں جن کے متن پر اسی طرح کی نقد و تحقیق کی ضرورت ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱؎ شمس الدین محمد السخاوی، فتح المغیث۔ شرح الفیۃ الحدیث ۱/۱۱۳۔ انوار محمدی ۱۳۰۳ھ

۲؎ شمس الدین ابن قیم، المنار المنیف فی الصحیح والضعیف ۴۳/۔۴۴ بیروت ۱۹۷۰ء

۳؎ الحجرات/ ۶ ۴؎ مسلم، مقدمہ

۵؎ مشکوٰۃ، باب البکاء علی المیت

۶؎ مسلم، کتاب الصیام، باب تغلیظ تحریم الجماع فی نہار رمضان۔

۷؎ بخاری، باب صلوٰۃ النوافل جماعۃ

۸؎ محمد ابوزہو، الحدیث والمحدثون ۲۸۱/۔۲۸۲، مصر ۱۳۷۸ھ ۹؎ ایضاً۔

۱۰؎ علی القاری، موضوعات کبیر ۲۲۶/، قرآن محل کراچی۔ ۱۱؎ ایضاً ص ۲۰۳

۱۲؎ شمس الدین ابن قیم، المنار والمنیف فی الصحیح والضعیف ۷۸/، بیروت ۱۹۷۰ء ۱۳؎ ایضاً ص ۴۴

۱۴؎ جلال الدین سیوطی، اللالی الموضوعہ ۲۲۳/۴، مطبع علوی (ہند) ۱۳۰۲ھ

۱۵؎ الانعام/ ۱۶۴ ۱۶؎ الحدیث والمحدثون/ ۳۱۰

۱۷؎ ایضاً ص ۳۰۸ ۱۸؎ اللالی المصنوعہ ۲۱۹/، ۱۹۷

۱۹؎ محمد طاہر الفتنی، تذکرۃ الموضوعات ۳۶/، مصر ۱۳۴۳ھ

۲۰؎ محمد تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار ۲۰۳/ دار المصنفین دہلی ۱۹۸۰ء

۲۱؎ موضوعات کبیر/ ۴۸۵ ۲۲؎ ایضاً ص ۵۰۶

۲۳؎ اللالی المصنوعہ ۵۹۷/ ۲۴؎ ابن صلاح، مقدمہ ۲۱۲/، مطبع دار الکتب ۱۹۷۴ء

۲۵؎ تذکرۃ الموضوعات ص ۷۸ ۲۶؎ اللالی المصنوعہ ۱۳۷/

۲۷؎ المنار المنیف ۶۰/

۲۸؎ شمس الدین محمد السخاوی، المقاصد الحسنہ ۲۵۵/۔ بغداد ۱۹۵۶ء

۲۹؎ اللالی المصنوعہ ۴۰۸/ ۳۰؎ المنار المنیف ۱۰۴/

۳۱؎ ایضاً

۳۲؎ ڈاکٹر مصطفی سباعی، السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی ۱۱۷/، قاہرہ ۱۹۶۱ء

۳۳؎ موضوعات کبیر ۲۶۰/

۳۴ جلال الدین سیوطی، تدریب الراوی ۱/۲۸۷، لاہور، پاکستان۔
۳۵ موضوعات کبیر/۲۲۲ ۳۶ المنار المنیف/۵۷
۳۷ موضوعات کبیر/۱۸۲ ۳۸ ایضاً ص۱۵۳
۳۹ موضوعات کبیر/۵۶، المنار المنیف/۱۱۱
۴۰ ایضاً/۵۰۵ ۔ ایضاً/۶۱
۴۱ المنار المنیف/۶۷۔ ابن قیم نے فرمایا: الاحادیث التی فیہا الخضر وحیاتہ کلہا کذب ولا یصح فی حیاتہ حدیث واحد۔ اگرچہ یہ مسئلہ متاخرین کے یہاں باعث نزاع رہا ہے مگر اکثریت نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ حیاۃ خضر کا تصور غلط ہے۔
۴۲ الجرات/۱۳ ۴۳ المقاصد الحسنہ/۱۴۳
۴۴ اللالی المصنوعہ/۲۷۱، المنار المنیف/۱۰۱
۴۵ المنار المنیف/۱۳۶ ۴۶ موضوعات کبیر/۲۰۳
۴۷ Goldziher, Muslim Studies, 2/140 London 1971
۴۸ محمد بن علی الشوکانی، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ/۴۳۷، بیروت ۱۹۸۶ء، علامہ شوکانی فرماتے ہیں لا یصح منہا حدیث مرفوع علی ہذا النسق فی ہذہ الاسانید۔ ۴۹ ایضاً
۵۰ تدریب الراوی ۱/۲۹۰، موضوعات کبیر/۴۶۵۔ اس میں صرف ایک پہلی حدیث صحیح ہے، تذکرۃ الموضوعات/۸۔
۵۱ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب ابتدار خلق۔ اس روایت کے متعلق ابن قیم نے فرمایا کہ یہ کعب الاحبار کا قول ہے حدیث نہیں۔ المنار المنیف/۸۵
۵۲ ق/۳۸
۵۳ حٰمٓ السجدہ/۹-۱۱
۵۴ ترمذی، کتاب الایمان، باب ان الاسلام بداء غریبا۔
۵۵ ایضاً ۔ باب افتراق ہذہ الامۃ
۵۶ الصف/۹
۵۷ ایضاً/۸

مورخ یعقوبی اور فقہائے اسلامی

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

تمہید: مورخ اور تاریخ

تیسری/نویں صدی کے عالمی اسلامی تاریخ نگاروں میں شیعی مورخ یعقوبی (احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب ابن واضح ۲۱۵ھ) ایک ممتاز مقام و مرتبہ اور نمایاں اوصاف وخصوصیات کا مالک ہے۔ اس کی تاریخ ایک طرف عالمی اسلامی تاریخ کی نمائندگی کرتی ہے تو دوسری طرف عباسی "کاتب طبقہ" کی علمی اور تحریری فضیلت کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ وہ مختصر تاریخ نگاری میں بھی بہت ممتاز درجہ رکھتی ہے۔ زبان واسلوب کے اعتبار سے بھی اس کا خاصا اونچا معیار ہے۔ تاریخی واقعات میں ایام وشہور اور سنین کے ساتھ ساتھ اس نے زائچہ/تزیج کو بھی مساوی اہمیت دی ہے۔ واقعات کی تدوین وترسیل میں موضوعاتی اسلوب اپنایا ہے۔ اسلامی طبقات واقوام کے پہلو بہ پہلو بلکہ ان سے پیشتر وہ غیر مسلم تہذیبی طبقات اور معلوم ومعروف اقوام کی تاریخ وتہذیب بھی بیان کرتی ہے۔

اسی طرح وہ تاریخ نگاری میں شیعی فکر پوری طرح سموتی جاتی ہے، اگرچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ خاصی معتدل ہے اور کہیں کہیں کافی منصفانہ انداز اپناتی ہے۔ وہ اس شیعی عقیدہ کی پوری طرح علمبردار ہے کہ خلافت/امامت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے فاطمی خاندانِ ذیشان کا الوہی حق تھا۔ اسی بنا پر وہ اپنے "ائمہ اطہار" کے علاوہ سب کے عہد کو "ایام" کی سرخی سے اور حضرات علی وحسن کی حکومت کو "خلافت" کے عنوان سے بیان کرتی ہے۔

یعقوبی کا تعلق چونکہ "طبقات کُتّاب" سے تھا اس لیے وہ ہر عہد کے اہم ترین اور غالب ترین حکمراں طبقہ یا فرقہ، عمال، غزوات ومہمات اور ان کے سنین وامرا اور کئی دوسرے

انتظامی معاملات کا بہت اہتمام سے ذکر کرتی ہے۔ وہ اسلامی تہذیب وتمدن کے نمایاں خط وخال کو بھی پیش کرتی ہے اور بنو امیہ کے خلفاء کرام کی صورت بھی مسخ کرتی ہے۔ اس میں صحیح روایات وواقعات کے پہلو بہ پہلو ضعیف وکمزور، موضوع وخود ساختہ اخبار وآثار کا بھی آمیزہ ملتا ہے۔ اسلامی تہذیب کا ایک اہم موضوع اسلامی فقہ کا ارتقاء ہے۔ بالعموم یہ بحث ایک جگہ کم از کم ابتدائی کتب میں نہیں ملتی، سوانح وتذکرہ اور علوم کی مختلف کتابوں کو چھاننا پڑتا ہے لیکن تاریخ یعقوبی نے "فقہاء عہد" کے عنوان سے ہر عہد کے فقہاء کا ذکر کیا ہے اور یہی اس مقالہ کا موضوع ہے[۲]

تاریخ یعقوبی کا دائرہ علم

تاریخ یعقوبی کا موجودہ مطبوعہ نسخہ جو ہمارے پیش نظر ہے دو جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کی جلد اول تمام تر تاریخ ماقبل اسلام یا دوسری اقوام کی تاریخ وتہذیب سے بحث کرتی ہے۔ صرف جلد دوم تاریخ اسلامی کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے عباسی خلیفہ احمد المعتمد علی اللہ (۲۵۶-۲۵۸ھ) کے تقریباً پہلے دو برسوں کے واقعات کو بیان کرتی ہے اور اچانک تمام ہوتی ہے[۳] مورخ یعقوبی نے التزام کے ساتھ تمام اولین ادوار وعہود اسلامی کے فقہائے کرام کی فہرست اس عہد کے بالکل آخر میں نقل کی ہے۔ صرف کہیں کہیں ایسا نہیں ہوا ہے۔ البتہ عباسی عہد میں وہ صرف خلیفہ محمد الامین کے فقہاء کرام کے بعد کسی اور دور کے فقہاء کرام کا باقاعدہ تذکرہ نہیں کرتی۔ ذیل میں پہلے ان تمام ادوار کے اصحاب فقہ کی فہرست ہائے یعقوبی پیش کی جاتی ہے بعد میں ان پر تبصرہ ونقد بھی کیا جائے گا اور تجزیہ وتحلیل سے بھی کام لیا جائے گا۔

عہد نبوی

عہد نبوی کے فقہائے کرام اور اصحاب فتاویٰ کی فہرست یعقوبی نے اپنے معروف ومذکور طریقے کے مطابق نہیں دی ہے۔ درمیان میں بعض اصحاب علم وغیرہ کا ذکر بلکہ مختصر حوالہ آیا ہے۔[۴]

خلافتِ راشدہ

خلافِ صدیقی سے متعلق یعقوبی کا بیان ہے کہ "ایامِ ابی بکر میں جن سے فقہ اخذ کی جاتی تھی وہ حضرات تھے: علی بن ابی طالب، عمر بن الخطاب، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود"۔[۵]

فاروقی خلافت کے بارے میں ان کا بیان ہے کہ ان کے ایام میں جن فقہاء سے علم حاصل کیا جاتا تھا وہ تھے: علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، ابوموسیٰ الاشعری، ابوالدرداء، ابوسعید الخدری اور عبداللہ بن عباس۔[۶]

ایام عثمان کے فقہائے کرام تھے[۷]: امیر المومنین علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابوموسیٰ اشعری، عبداللہ بن عباس، ابوالدرداء، ابوسعید الخدری، عبداللہ بن عمر اور سلمان بن ربیعہ الباہلی۔[۸]

مورخ یعقوبی نے خلیفہ چہارم کے عہد کے اہلِ علم کے بارے میں لکھا ہے کہ "جن اصحابِ علی سے علم لیا جاتا تھا وہ تھے: الحارث الاعور، ابوالطفیل عامر بن واثلہ حبۃ العرنی، رشید الہجری، حویرہ بن مسہر، الاصبغ بن نباتہ، میثم التمار اور الحسن بن علی"۔ جب کہ خلافتِ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے فقہاء کرام کا کوئی تذکرہ سرے سے نہیں ہے۔[۹]

خلافتِ امویہ: عہد معاویہؓ

ایامِ معاویہؓ کے فقہاء کرام تھے: عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر بن خطاب، المسور بن مخرمہ الزہری، السائب بن یزید، عبدالرحمٰن بن حاطب، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث، سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، عطاء بن یسار، القاسم بن محمد بن ابی بکر، عبیدہ بن قیس السلمانی، الربیع بن خثیم الثوری، زر بن حبیش، الحارث بن قیس الجعفی، عمرو بن عتبہ بن فرقد، الاحنف بن قیس، الحارث بن عمیر الزبیدی، سوید بن غفلۃ الجعفی، عمرو بن میمون الاودی، مطرف بن عبداللہ بن الشخیر، شقیق بن سلمہ، عمرو بن شرحبیل، عبداللہ بن یزید الخطمی، الحارث الاعور الہمدانی، مسروق بن الاجدع، علقمہ بن قیس النخعی، شریح بن وارث الکندی، زید بن وہب الہمدانی۔[۱۰]"

خلافتِ یزید و معاویہ ثانی اور مروان بن الحکم کے عہد کے فقہائے کرام کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر کے عہد خلافت کے اصحابِ فقہ کی طرف بھی کوئی اشارہ نہیں ہے۔[۱۱۵]

عہدِ عبدالملک

"ایام عبدالملک بن مروان کے فقہاء تھے: عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، المسور بن مخرمہ الزہری، اسائب بن یزید، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام، خارجہ بن زید بن ثابت، سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، عطاء بن یسار، القاسم بن محمد، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، سالم بن عبداللہ، قبیصہ بن جابر، عبیدہ بن قیس السلمانی، شریح بن الحارث الکندی، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عبداللہ بن یزید الخطمی، زید بن وہب الہمدانی، الحارث بن سوید التیمی، مرۃ بن شراحیل الہمدانی، ابوجحیفہ وہب بن عبداللہ العامری الاسدی، لسیر بن عمرو السلولی، ابوالشعثاء سلیمان بن الاسود، الاسود بن مالک الحارثی، ابن حراش العبسی، عمرو بن میمون الاودی، عامر بن شراحیل الشعبی، عبدالرحمٰن بن یزید النخعی، سالم بن ابی الجعد، عامر بن عمیر اللیثی، ابراہیم بن یزید التیمی، ابوظبیان الحصین بن جندب، سلیمان بن یسار اور ابوالملیح بن اسامہ۔"[۱۱۶]

عہد الولید و سلیمان

"ایام الولید بن عبدالملک کے فقہاء تھے: عبدالرحمٰن بن حاطب، سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، عطاء بن یسار، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، القاسم بن محمد، سعید بن جبیر، مجاہد بن جبیر (کذا) مولیٰ بنی مخزوم، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، حکیم بن ابی حازم، شقیق ابن سلمہ، ابراہیم بن یزید النخعی، عامر الشعبی، سالم بن ابی الجعد، اسحاق السبیعی، ایوب الازدی، ابوتمیم الجیشانی، الحسن بن ابی الحسن، محمد بن سیرین، ابوقلابہ عبداللہ بن زید، سلیمان بن یسار، مورق العجلی، سنان بن سلمہ، ابوالملیح بن اسامہ الہذلی، العلاء بن زیاد، ابوادریس، رجاء بن حیاۃ۔"[۱۱۷] مورخ کی تصریح کے مطابق "ایام سلیمان بن عبدالملک میں فقہاء ولید کے ایام کے مانند تھے۔"[۱۱۸]

عہدِ عمر ثانی

"حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی کے ایام کے فقہاء تھے: خارجہ بن زید بن ثابت، یحییٰ

بن عبدالرحمٰن بن حاطب، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، سالم بن عبداللہ بن عمر، القاسم بن محمد بن ابی بکر، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، محمد بن کعب القرظی، عاصم بن عمر بن قتادہ، نافع مولی عبداللہ بن عمر، سعید بن یسار، محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی، عبداللہ بن دینار، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو، عطاء بن ابی رباح، مجاہد بن جبیر، عکرمہ مولی عبداللہ بن عباس، عامر بن شراحیل الشعبی، سالم بن ابی الجعد، حبیب بن ابی ثابت، عبدالملک بن میسرہ الہلالی، ابواسحاق السبیعی، الحسن بن ابی الحسن البصری، محمد بن سیرین، ابوقلابہ عبداللہ بن زید، مورق العجلی، عبدالملک بن یعلی اللیثی، زید بن نوفل، علقمہ بن عبداللہ المزنی، ابوحازم رجاء بن حیوۃ، مکحول الدمشقی، راشد بن سعد، المقری سلیمان بن حبیب المحاربی، میمون بن مہران، یزید بن الاصم، ابوقبیل المعافری اور طاؤس الیمانی۔[۱۵]

عہدِ یزید ثانی

"یزید بن عبدالملک کی "ولایت" کے فقہاء تھے: یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب، سالم بن عبداللہ بن عمر، القاسم بن محمد بن ابی بکر، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، محمد بن کعب القرظی، عاصم بن عمر بن قتادہ، نافع مولی عبداللہ بن عمر، سعید بن یسار، محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی، عبداللہ بن دینار، عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم، طاؤس الیمانی، عطاء بن ابی رباح، حبیب بن ابی رباح، حبیب بن ابی ثابت، عبداللہ بن میسرہ، ابواسحاق السبیعی۔[۱۶]"

عہدِ ہشام

"ہشام بن عبدالملک کے ایام کے فقہاء کرام کے نام ہیں: سالم بن عبداللہ بن عمر، الہیثم بن محمد بن ابی بکر، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، محمد بن کعب القرظی، نافع مولی عبداللہ بن عمر، عاصم بن عمر بن قتادہ، محمد بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم، طاؤس الیمانی، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، عطاء بن ابی رباح، عمرو بن دینار، عبداللہ بن ابی نجیح، حبیب بن ابی ثابت، عبدالملک بن میسرہ، ابواسحاق السبیعی، القاسم بن عبدالرحمٰن، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، سماک بن حرب الذہلی، الحکم بن عیینۃ الکندی، حماد بن ابی سلیمان، ابومعشر زیاد بن کلیب، طلحہ بن مصرف الہمدانی، نعیم بن ابی ہند الاشجعی، اشعث بن ابی الشعثاء، سعید بن اسبوع،

ابوحازم الاعرج، قتادہ بن دعامہ السدوسی، بکر بن عبداللہ المزنی، ایوب السختیانی، یزید بن عبداللہ بن الشخیر، عبدالرحمٰن بن جبیر، مکحول الدمشقی، راشد بن سعد المقری، میمون بن مہران، ابوقبیل المعافری، یزید بن الاصم۔[۵۱۷]"

عہدِ مروان ثانی

تین اموی خلفاء — الولید بن یزید، یزید بن الولید بن عبدالملک، ابراہیم بن الولید — کے عہد کے فقہاء کرام کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔[۵۱۸] لیکن آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد بن مروان کے ایام کی یہ فہرست دی ہے: "محمد بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم، ابوالحویرث المرادی، عمرو بن دینار، صالح بن کیسان، ابوالزناد عبدالرحمٰن ابن ذکوان، عبداللہ بن ابی نجیح، قیس بن سعد، ابوالزبیر محمد بن مسلم، ابراہیم بن میسرہ، عبدالملک بن عمیر اللیثی، سلمہ بن کمیل، جابر بن یزید الجعفی، غیلان بن جامع المحاربی، ابوبکر بن نسر بن حرب، یزید بن عبداللہ بن الشخیر، سالم الافطس، عبدالکریم الحنفی۔[۵۱۹]"

خلافت عباسی: عہد سفاح

اولین عباسی خلیفہ ابوالعباس السفاح کے ایام کے فقہاء کی فہرست خاصی بڑی ہے: "یحییٰ بن سعید الانصاری، ابن ابی طوالہ الانصاری، موسیٰ بن عقبہ، عبدالرحمٰن بن حرملہ الاسلمی، ابوحمزۃ الثمالی، زید بن اسلم، ابوحازم القاضی، ہشام بن عروہ بن زبیر، محمد بن ..... بن علقمہ، موسیٰ بن عبیدہ الربذی، ابن ابی صعصعہ، ربیعۃ الرای، عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب، محمد بن اسحاق بن یسار، عبداللہ بن طاؤس، صدقہ ..... یسار، حمید بن قیس الاعرج، عبداللہ بن عثمان بن خثیم، عثمان بن الاسود، عبدالملک بن جریج، عبدالملک بن عمیر اللیثی، ابوستار النسائی، مجالد بن سعید، الاجلح بن عبداللہ الکندی، منصور بن المعتمر السلمی، مطرف بن طریف الحارثی، جابر بن یزید الجعفی، الحسن بن عمر الفقیمی، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، الحسن بن عمارہ، مسعر بن کدام، عبدالجبار بن عباس الہمدانی، زفر بن الہذیل، اسحاق بن سوید العدری، ابوبکر بن نسر بن حرب، یونس بن عبید، ابوالمعتمر سلیمان التیمی، عمرو بن عبید، حمید الطویل مولی خزاعہ، عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی، سالم الافطس، عبدالکریم الحنفی۔[۵۲۰]"

عہد المنصور

ابوجعفر المنصور کے عہد خلافت کے علماء کو دو طبقوں میں تقسیم کر کے بیان کیا ہے اول وہ قضاۃِ امصار تھے جن کو خلیفہ نے اپنی طرف سے پہلی بار مقرر کیا تھا۔ پہلے وہ اصحاب المعاون کے ہاتھوں مقرر ہوتے تھے۔ بہرحال ان کے قضاۃ تھے: عثمان بن عمر التیمی، یحییٰ بن سعید الانصاری، عبداللہ بن صفوان الجمحی۔ کوفہ کے قاضی تھے: شریک بن عبداللہ النخعی، بصرہ کے تھے: عمر بن عامر السلمی، اور پھر سوار بن عبداللہ العنبری، مصر کے قاضی تھے: عبداللہ بن لہیعہ الحضرمی،[۲۱]....."

ان کے زمانہ کے مزید فقہاء میں جن حضرات کو شمار کیا ہے وہ یہ ہیں": یحییٰ بن سعید الانصاری، محمد بن عبدالرحمٰن ابن ابی طوالہ، ہشام بن عروہ بن زبیر، محمد بن عمر بن علقمہ، موسیٰ ابن عبیدہ بن ابی صعصعۃ، ربیعۃ الرای وھو ابن ابی عبدالرحمٰن، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب، عثمان بن الاسود، حنظلہ بن ابی سفیان، عبدالملک بن جریج، عبدالعزیز بن ابی الرواد، ابراہیم بن یزید، محمد یزید الاندی، ابوسار الساری (جن کا نام ہرار بن مرہ تھا)، سلیمان بن مہران الکاہلی، الحسن بن عبداللہ النخعی، ابوحیان یحیی بن سعید التیمی، مجالد بن سعید، محمد بن السائب الکلبی، الاجلح بن عبداللہ الکندی، الراء بن ابی زائدۃ الہمدانی، یونس بن ابی اسحاق السبیعی، الحسن بن عمر الفقیمی، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، الحجاج بن ارطاۃ، ابوحنیفہ النعمان بن ثابت، محمد بن عبداللہ العزرمی، الحسن بن عمارہ، مسعر بن کدام، ابوحمزہ الثمالی، سفیان بن سعید الثوری، عبدالجبار بن عباس الہمدانی، یحییٰ بن سلمہ بن کہیل، عبداللہ بن عون المزنی، خالد بن مہران، ابوالمعتمر سلیمان التیمی، عمرو بن عبید، سوار بن عبداللہ، ابوالاشہب العطاردی، حمید الطویل، شعبہ بن الحجاج العبدی، حماد بن سلمہ، حماد بن زید، عبداللہ بن محرر، عمرو بن قیس الکندی، الاوزاعی عبدالرحمٰن بن عمرو، غالب بن عبداللہ العقیلی[۲۲]"

عہد المہدی

"خلیفہ المہدی کے ایام کے فقہاء تھے: محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب، ابراہیم بن محمد بن ابی الحسن، سعید بن عبدالعزیز الجمحی، عبدالعزیز بن ابی حازم، عبدالحمید المدنی، یونس بن اسحاق السبیعی، الحجاج بن ارطاۃ النخعی، سفیان بن سعید الثوری، شریک بن عبداللہ النخعی، یحییٰ بن سلمہ بن کہیل،

سلمۃ الاحمر، ابراہیم بن سعد الزہری، ابومخنف لوط بن یحییٰ، سفیان بن الحسن الحمانی، جعفر بن عتاب، یحییٰ بن ابی زائدہ، علی بن مسہر، محمد بن مروان السدی، زیاد بن الطفیل، عبدالرحمٰن بن مالک، مالک بن الفضیل، ابومحمد بن ..... محمد بن جابر الیمامی، ابوالاشہب جعفر بن حیان العطاردی، سلمہ بن علقمہ، سعید بن ایاس، خالد بن دینار، جریر بن حازم الازدی، شعبہ بن الحجاج، حماد بن سلمہ، مہدی بن میمون، موسیٰ بن علی بن رباح، عبداللہ بن لہیعہ، جعفر بن الغطریف، بقیہ بن الولید الحمصی، عبدالسلام بن عبدالملک الدمشقی[۲۳]"

عہد ہارون الرشید

موسیٰ الہادی کی چودہ[۱۴] ماہہ خلافت کے فقہاء کا ذکر نہیں کیا گیا ہے[۲۴]۔ جبکہ خلیفہ ہارون الرشید کے طویل عہد کی فہرستِ فقہاء بھی کافی طویل ہے: "محمد بن عمران بن ابراہیم، مالک بن انس، ابراہیم بن محمد بن ابی الحسن الاسلمی، ابوالبختری بن وہب العرشی، عبداللہ بن جعفر المدینی، اسماعیل بن جعفر ابوعقیل، ابومعشر السندی، سعید بن عبدالعزیز التنوخی، عبدالعزیز بن ابی حازم، عبدالعزیز بن محمد الدراوردی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ العمری، سلیمان بن فلیح، ..... عطاء بن یزید، سفیان بن عیینہ، شریک بن عبداللہ النخعی، سلمۃ الاحمر، ابویوسف یعقوب بن ابراہیم، ابراہیم بن سعد الزہری، سفیان بن الحسن الحمانی، جعفر بن عتاب بن ابی زائدہ، علی بن مسہر، عبداللہ بن ادریس الاودی، محمد بن مروان السدی، جریر بن عبدالحمید الکوفی، شعیب بن صفوان (ابن شبرمہ کے شاگرد) جعفر بن سلیمان، محمد بن الحسن، علی بن ہاشم، عبداللہ بن الاصلح الکندی، الطلب بن الحجاج، القاسم بن مالک المزنی، علی بن ظبیان، ابوشہاب الکوفی، محمد بن مزرق القاضی، عدی بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، وکیع بن الجراح، یحییٰ بن الہانی، عمرو بن ہشام، حماد بن زید، ابوعوانہ، یزید بن زریع، عبیداللہ بن الحسن، المعتمر بن سلیمان، داؤد بن الزبرقان عباد بن عباد المہلبی، حمزہ بن نجیح، خالد بن یزید، محمد بن راشد، عمران بن خالد (عطاء کے شاگرد صاحب) محمد بن یزید الواسطی، عبدالمنعم بن نعیم، عمر بن جمیع، یوسف بن عطیہ، عبدالعزیز بن عبدالصمد[۲۵]"

عہد الامین

"محمد الامین کے ایام میں حسب ذیل فقہاء تھے: محمد بن عمر واقد، یحییٰ بن سلیمان الطائفی

ابو معاویہ محمد بن حازم المکفوف، اسباط موالی قریش، عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، عبدالرحمٰن بن مہدی، محمد بن کثیر الکوفی (صاحب التفسیر) سفیان بن عیینہ، وکیع بن الجراح، عبداللہ بن نمیر، یزید بن اسحاق، اسماعیل بن علیہ، عبدالوہاب الثقفی، یحییٰ بن سعید القطان، یزید بن مالک، الولید بن مسلم (امام الاوزاعی کے شاگرد/صاحب) اسحاق الازرق، زید بن ہارون، علی بن عاصم، حماد بن عمرو، سلم بن سالم التمیمی[۲۶]"

دیگر عباسی خلفاء

اپنی عادت کے برخلاف یعقوبی نے خلیفہ المامون سے لے کر اپنی کتاب کے آخری عباسی خلیفہ المعتمد کے عہد کے فقہاء کی فہرست نہیں دی ہے[۲۷]۔ البتہ درمیانِ بحث میں بعض فقہاء کا حوالہ ضرور دیا ہے۔ مثلاً عہد مامونی کے ضمن میں حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ کے شتم کے جرم میں ایک شخص کو سزا دینے کے سلسلہ میں بشر بن الولید الکندی کو بغداد میں مامون کا قاضی کہا ہے اور اسی ضمن میں "فقہاءِ عہد" کا عمومی حوالہ دیا ہے۔ اسی طرح ایک اور معاملہ میں فقہاء کا حوالہ آیا ہے[۲۸]۔ خلقِ قرآن کے مسئلہ کے حوالہ سے معتصم کے عہد کے فقہاء کا عمومی اور احمد بن حنبل کا خصوصی حوالہ دیا ہے[۲۹]، یا معتصم کے غالب امراء میں قاضی القضاۃ احمد بن ابی دواد الایادی کا نام ہے[۳۰]۔ الواثق کے عہد میں خلقِ قرآن کے حوالہ سے قضاۃ/عالم کا ذکر ملتا ہے[۳۱]۔ دوسرے ادوارِ خلافت میں یہ عمومی ذکر بھی بالعموم نہیں ملتا۔

تجزیہ و تبصرہ

یعقوبی کی تاریخ میں مذکورہ فہرست ہائے فقہاء کے تجزیہ سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ عہد نبوی سے ہی علم و فقہ کا ارتقاء شروع ہو گیا تھا اور اس کا اہم ترین اور روشن اظہار فقہائے عہد کے نشوونما میں ہوا۔ خلافتِ راشدہ (۱۱ھ-۴۰ھ/۶۳۲-۶۶۱ء) کے دوران صحابہ کرام میں سے کم از کم پچیس[۲۵] فقہائے اسلام کا ذکر کیا ہے جن میں سے چھ[۶] خلافتِ صدیقی میں نو[۹] خلافتِ فاروقی میں اور دس[۱۰] خلافتِ عثمانی میں تھے۔ جبکہ خلافتِ علوی میں صحابۂ عظام کے بجائے حضرت علی کے اصحابِ علم میں سے آٹھ کا ذکر کیا ہے جن میں سے کم از کم دو[۲] صحابہ کے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اولین اموی خلیفہ حضرت معاویہ کے عہد کے اٹھائیس[۲۸] فقہاء کا ذکر موجود ہے جن

میں سے پانچ[۵] رچھ[۶] صحابہ کرام تھے، جبکہ باقی تابعین کے طبقہ اولیٰ سے متعلق تھے۔ عہدِ عبدالملک کے چونتیس[۳۴] فقہاء کرام میں سے تقریباً چھ[۶] صحابی تھے اور باقی تابعی تھے۔ خلافتِ ولید اور سلیمان کے چھبیس[۲۶] فقہاء میں سے تقریباً سب ہی تابعی تھے اور یہی حال خلافتِ عمر ثانی کے سینتیس[۳۷]، خلافتِ یزید ثانی کے سترہ[۱۷]، خلافتِ ہشام کے چھتیس[۳۶] فقہاء کا ہے۔ جبکہ آخری خلیفۂ اموی مروان ثانی کے سترہ[۱۷] فقہاء تبع تابعین کے طبقہ سے تھے۔ عباسی عہد میں السفاح کے اکتالیس[۴۱] المنصور کے چون[۵۴]، المہدی کے بنتیس[۳۵]، ہارون الرشید کے چون[۵۴] اور محمد الامین کے اکیس[۲۱] فقہاء زیادہ تر دوسری مسلم نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ اس طرح کل مذکورہ فقہاءِ اسلام کی تعداد چار سو[۴۰۰] اکیاون بنتی ہے۔ بعد کے ادوار کے فقہاءِ کرام کا ذکر نہیں کیا گیا ہے ورنہ ان کی تعداد کہیں زیادہ ہوتی۔ ان شواہد سے اس مسلمہ حقیقت کو مزید تقویت ملتی ہے کہ کوئی اسلامی دور فقہائے کرام کے وجودِ مسعود سے کبھی خالی نہیں رہا۔

مجموعی تعدادِ فقہاء یا انفرادی اسماء کے بارے میں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ بیشتر دور کے فقہاء جانشین ادوار میں بھی سرگرم عمل رہے اور ان کے طویل زمانہ یا مختلف ادوار سے متعلق ہونے کے سبب ان کو مختلف ادوار کا فقیہ بھی قرار دیا گیا۔ مثلاً خلفاء ثلاثہ کے پچیس[۲۵] فقہاء اصلاً صرف تیرہ[۱۳] افراد تھے۔ حضرات معاویہ اور عبدالملک کے فقہاء میں تقریباً نو[۹] حضرات مشترک تھے۔ ولید اور سلیمان کے فقہاء یکساں تھے۔ حضرت عمر ثانی کے فقہاء کرام میں غالب اکثریت نئی تھی مگر ان کے جانشین کے عہد کے فقہاء تقریباً وہی تھے۔ یہی صورتِ حال عباسی عہد کے فقہاء کرام کے باب میں نظر آتی ہے۔ اس نکتہ کا قطعی تجزیہ فقہاءِ کرام پر مشتمل ضمیمہ میں کیا گیا ہے۔

اموی دور بالخصوص اس کے اولین زمانے کے جن خلفائے کرام کے فقہائے عظام کا تذکرہ یعقوبی نے نہیں کیا ہے اس کی ایک وجہ شیعی عصبیت یا مسلکی اختلاف بھی ہے لیکن یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جو فقہائے کرام عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں سرگرم عمل تھے وہ بشرطِ حیات و سرگرمی عہد یزید و معاویہ ثانی و مروان اول کے ادوار میں بھی فقیہ و قاضی اور صاحب افتاء رہے تھے۔ اس کا سب سے بڑا اور ناقابل تردید ثبوت یہ ہے کہ ایسے فقہاء جو پہلے عہد میں تھے بعد کے دور خاص کر عبدالملک اموی کے فقہاء کرام کی فہرست میں بھی نظر آتے ہیں۔ بلکہ عہد معاویہ و عبدالملک کے فقہاء کرام کی فہرستوں کے موازنے سے معلوم ہوتا ہے

کہ موخرالذکر کے بیشتر فقہاء بلکہ ان کی غالب اکثریت خلافتِ معاویہ کے زمانے سے سرگرم عمل چلی آرہی تھی۔ ابھی تک ایسی کوئی شہادت نہیں ملی ہے کہ ان سب اصحاب علم وفقہ نے یا ان کی جماعتِ حقہ کے کسی فرد واحد نے بھی دورِ یزید ہی میں اپنے علمی وفقہی کام سے ہاتھ اٹھا لیا ہو بلکہ ان کے سوانح وتذکرہ سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی زندگی خاص کر علمی حیات کے ہر دور میں اپنے کام میں منہمک اور اسلامی معاشرہ کی خدمت انجام دیتے رہے۔

اس سے زیادہ اہم واقعہ اور مسلم حقیقت یہ ہے کہ اولین عباسی عہد بالخصوص السفاح اور المنصور کے زمانے کے فقہائے کرام زیادہ تر اموی دورِ آخر کے باقیات الصالحات تھے۔ ان کی فہرست ہائے یعقوبی کے موازنے سے بھی اور فقہاء کرام کے سوانح کے مطالعہ سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ اموی دور کی فقہی میراث نے اولین عباسی دور کو مالا مال اور زرخیز بنایا تھا۔ ایسے تمام اصحاب علم وفقہ کو ہی نہیں بلکہ تمام علمی وفنی اور تہذیبی ارتقاء اور اعمال کو جو اموی دور کے پروردہ اور ساختہ پرداختہ تھے محض اس لیے عباسی دور کے کھاتے میں شمار کر لیا گیا کہ ان کی وفات اس دور میں ہوئی تھی حالانکہ ان کی بیشتر زندگی اور علمی خدمات اموی خلافت کی دین تھیں۔ عباسی خلافت کو ان اشخاص واعمال کے لیے شرف دینا چاہیے جیسا کہ انصاف کا تقاضا ہے جو ان کے دور کے ساختہ اور تہذیب یافتہ تھے۔ بالخصوص وہ فقہائے کرام جن کی زندگی، علمی تربیت اور کارنامے اس دور میں منظر عام پر آئے۔

مورخ یعقوبی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد کے فقہاء کرام کے ذکر میں شیعی نقطۂ نظر پیش کیا ہے اور کسی حد تک وہ فقہاء کی فہرستوں میں "ہاشمی" بزرگوں کو سرفہرست رکھ کر بھی اس کی ترجمانی کرتے ہیں مثلاً خلفاء ثلاثہ کے عہد میں حضرت علی بن ابی طالبؓ کو اور خلافتِ معاویہ تا خلافتِ عبدالملک میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو سرفہرست رکھا ہے حالانکہ حضرت عمر بن خطاب کے مقابلہ میں کسی اور کو ترجیح دینا حدیث نبوی کے منافی ہے اور تاریخی حقیقت کے خلاف بھی۔ اسی طرح یعقوبی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی نظر انداز کیا ہے اور بعض دوسرے صحابۂ کرام اور تابعین عظام کو بھی۔

بہر حال ان کے حق میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ انھوں نے ہر عہد کے تمام فقہاء کرام کا استقصاء کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ بلکہ ہر عہد کے صرف نمائندہ اصحاب فقہ کا ذکر کیا ہے۔ اس سے بڑھ کر ان کا یہ بھی شرف ہے کہ انھوں نے اپنی تاریخ میں اہل علم وفقہ کے ذکر کو بھی نمایاں

جگہ دی جو بالعموم تاریخی کتب میں نہیں ملتی۔ اس اعتبار سے غالباً یعقوبی یکتا و منفرد مورخ ہیں اور اس باب میں ان کو تمام دوسرے مورخین پر فضیلت حاصل ہے۔ ان کا غالباً سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ انھوں نے اپنے شیعی اہلِ علم کو مرجع فکر و نظر بنانے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ صرف سنی اہلِ علم و فقہ کو ہی ہر عہد کا فقیہ و عالم بتایا ہے جن پر اس عہد کی مسلم اکثریت کو ہی نہیں بلکہ تمام ادوار کی امتِ مسلمہ کو اعتماد رہا ہے اور جن کو فقہِ اسلامی کا سرچشمہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ اس میں حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یعقوبی نے اپنے ائمہ اطہار خاص کر حضرات علی زین العابدین، جعفر صادق اور بعض دوسرے حضرات کے اسمار گرامی ان فہرستوں میں شامل نہیں کیے ہیں، حالانکہ وہ پوری امتِ مسلمہ کے لیے مرجع فکر اور چشمۂ علم رہے ہیں سوائے ان روایات کے جو ان کے غالی پیروکاروں نے ان کی طرف غلط منسوب کر دی ہیں۔

اگر یعقوبی نے حضرت حسن اور بعض دوسرے اموی اور عباسی خلفاء کے عہد کے فقہاء کرام کا تذکرہ نہیں کیا ہے تو اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کے عہودِ حکومت مختصر تھے۔ خلیفۂ بدنام و مطعون یزید بن معاویہ کے فقہائے عظام کے عدم ذکر کی یہ توجیہ کی جا سکتی ہے کہ ان کے عہد میں سوائے چند حادثات کے کسی اور شے کا ذکر ہی نہیں کیا جاتا۔ لیکن المامون وغیرہ عظیم عباسی خلفاء کے عہد کے فقہاء کرام کے تذکرہ سے پہلوتہی کرنا ناقابلِ فہم ہے خاص کر بعض فقہی مذاہب کے بانیوں جیسے حضرات امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہ ـــــ کے عدمِ ذکر پر حیرت بھی ہوتی ہے کیونکہ یعقوبی کے آخری زمانے تک ان کا سکہ عوام و خواص میں مقبول ہو چکا تھا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تاریخ اسلامی کی بیشتر کتب و مآخذ سیاسی واقعات اور جنگی اخبار پر زیادہ ارتکاز کرتے ہیں اور تہذیبی پہلوؤں کو اکثر و بیشتر نظر انداز کرتے ہیں یا طبری کی طرح اگر ان سے اعتنا کرتے ہیں تو اصل مباحث و واقعات کے اواخر میں ان کے حواشی و تعلیقات کی حیثیت سے ان کا سرسری ذکر کر دیتے ہیں۔ لیکن ہر عہد کے واقعات و اتفاقات کے ذیل میں فقہائے کرام اور ان کی خدمات کا ذکر کر کے یعقوبی نے عام مورخین پر یک گونہ سبقت اور امتیاز حاصل کر لیا ہے۔

اگرچہ ہر عہد اسلامی کے فقہاء کرام کی الگ الگ فہرستوں سے ظاہری تسلسل و ارتقاء کا علم نہیں ہوتا۔ تاہم ان پر مجموعی نظر ڈالنے سے اور ان کا عہد بعہد ہی سہی مگر اجتماعی مطالعہ کرنے

سے اسلامی فقہاء کے ارتقاء کا تسلسل نظر آتا ہے۔ بالخصوص ان بزرگانِ علم وفقہ کے اسمارگرامی سے جو دو یا اس سے زیادہ ادوارِ خلافت میں مشترک اور بلا انقطاع سرگرم عمل تھے۔ دراصل یہ تاریخ یعقوبی کی ترتیب وتبویب کی مجبوری کہی جاسکتی ہے کہ وہ اسلامی ارتفاقات اور تہذیبی ارتقاء کے اعمال کا جائزہ عہد بعہد لیتی ہے۔ اگر ان تمام فہرستوں کو فقہائے کرام کے زمانۂ عمل کے مطابق ترتیب دیا جائے تو ظاہری ارتقاء اور تسلسل بھی نظر آنے لگے گا۔ اس اعتبار سے تاریخ یعقوبی کا یہ پہلو بڑا دلنشیں اور اسلامی تہذیب کو اجاگر کرنے والا بن جاتا ہے۔ وہ فقہائے اسلامی کے اسمارگرامی کو صرف بیان کرکے اور ان کی فہرستیں ہی دے کر ان کے تسلسل اور اسلامی فقہ کے بتدریج ارتقاء کا ایک نیا باب کھولتی ہے۔ جس کی بنا پر دوسرے مآخذ ومصادر کی مدد سے پوری تاریخِ فقہاء اسلامی مرتب کی جاسکتی ہے۔

تعلیقات وحواشی

۱؎ عام طور سے مورخ یعقوبی کی تاریخ وفات ۲۸۴ھ/۸۹۷ء بتائی جاتی ہے لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چوتھی ہجری کے دوسرے عشرہ تک زندہ تھا مزید بحث کے لیے ملاحظہ ہو: راقم کا مقالہ "تاریخ یعقوبی — سیرت نبوی کا ایک اہم ماخذ" نقوش رسول نمبر لاہور ۱۹۸۳ء جلد اول نیز آئندہ مقالہ "مورخ یعقوبی" اسلام کے علمی ثقافتی ورثہ کی جلد سیرت وتاریخ میں۔

۲؎ مفصل تجزیہ کے لیے خاکسار کے مذکورہ بالا مقالات ملاحظہ ہوں:

۳؎ تاریخ یعقوبی، دارصادر بیروت ۱۹۶۰ء (آئندہ حوالہ "نفس مصدر" کے عنوان سے آئے گا)

۴؎ نفس مصدر، دوم

۵؎ نفس مصدر، ۱۲۸

۶؎ نفس مصدر، ۱۶۱

۷؎ تاریخ یعقوبی کی مطبوعہ جلد میں غلطی سے امیرالمومنین کا لقب حضرت عثمان کے نام نامی کے ساتھ چھپ گیا ہے یعنی: کان الفقہاء فی ایام عثمان امیرالمومنین: علی بن ابی طالب..... جبکہ اصلاً مورخ نے امیرالمومنین کا لقب سامی حضرت علی بن ابی طالب کے لیے استعمال کیا ہے لہٰذا عبارت یوں ہونی چاہیے: کان الفقہاء فی ایام عثمان: امیر المومنین علی بن ابی طالب....." تاریخی اور سنی نقطۂ نظر سے یہ اہم اور دلچسپ بات ہے کہ مورخ نے حضرت علیؓ

کے لیے لقب خلافت اس وقت استعمال کیا جبکہ وہ دستوری خلیفہ نہ تھے لیکن شیعی تصور "خلیفہ بلا فصل" کے لحاظ سے اس کا استعمال برمحل ہے۔ ایسا صرف حضرت عثمان کے سلسلہ میں ہوا ہے اس لیے اور بھی اہم ہے: نفس مصدر، دوم، ۱۷۷۔

۸؎ نفس مصدر، دوم، ۱۷۷۔

۹؎ مورخ یعقوبی نے حضرت علیؓ کے اصحاب علم کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھا مگر ان کے عہد خلافت کے صحابہ کرام اور تابعین عظام میں سے دوسرے اصحاب علم وفقہ کا تذکرہ کرنا غیر ضروری سمجھا۔ اس منفی و مثبت رویہ کے آمیزہ کا ایک ہی سبب ہو سکتا ہے کہ وہ شیعی نقطۂ نظر کو اجاگر کرنے کا آرزومند تھا، ورنہ اس دور کے اصحاب فقہ وعلم کم نہ تھے۔ حضرت حسن کے عہد خلافت کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ مختصر اور شورش زدہ تھا ورنہ اس دور کے فقہا بھی زیادہ تر عہد عثمانی کے فقہائے کرام ہی تھے، نفس مصدر، دوم۔ ۱۵-۲۱۳۔ ۱۰؎ نفس مصدر، دوم، ۱۴۱ - ۲۴۰۔

۱۱؎ نفس مصدر، دوم، ۵۴-۲۵۳ اور ۵۸ - ۲۵۷ نیز ۲۶۸ بالترتیب

۱۲؎ نفس مصدر، دوم، ۲۸۲

۱۳؎ نفس مصدر، دوم، ۲۹۲۔ مورخ نے اصل مخطوطہ میں کیا لکھا تھا معلوم نہیں لیکن مطبوعہ نسخہ میں مشہور تابعی حضرت مجاہد کے والد ماجد کا نام ہر جگہ "جبیر" لکھا گیا ہے جبکہ دوسرے مآخذ سے ان کا نام "جبر" معلوم ہوتا ہے۔

۱۴؎ نفس مصدر، دوم، ۳۰۰

۱۵؎ نفس مصدر دوم، ۳۰۹

۱۶؎ نفس مصدر، دوم ۳۱۵

۱۷؎ نفس مصدر، دوم ۳۳۰

۱۸؎ نفس مصدر، دوم ۳۳۴ اور ۳۳۷

۱۹؎ نفس مصدر، دوم ۳۴۸

۲۰؎ نفس مصدر، دوم ۳۶۳

۲۱؎ نفس مصدر، دوم، ۳۸۹

۲۲؎ نفس مصدر، دوم ۹۱ - ۳۹۰

۲۳؎ نفس مصدر، دوم ۴۰۳۰

۲۴؎ نفس مصدر دوم ۴۰۶

۲۵؎ نفس مصدر دوم ۳۲ - ۴۳۱

۲۶؎ نفس مصدر دوم ۴۴۳

۲۷؎ نفس مصدر، دوم ۴۷۰، ۴۷۸، ۴۸۳، ۴۹۳، ۴۹۲، ۴۹۹، ۵۰۴، ۵۰۶ اور ۵۱۱

۲۸؎ نفس مصدر دوم ۹ - ۴۰۸

۲۹؎ نفس مصدر دوم ۴۷۲

۳۰؎ نفس مصدر دوم ۴۷۸

۳۱؎ نفس مصدر دوم ۴۸۲

بحث ونظر

مرابحہ

غیرسودی بینک کاری کی اہم بنیاد

مولانا سید حسنین احمد ندوی

عالمی معیشت پر یہود کی اجارہ داری نے سود کو نہ صرف زندگی کے ہر شعبہ میں داخل کردیا ہے بلکہ اقتصادی سرگرمیوں کی ترتیب وتنظیم اس طرح کی ہے کہ وہ لوگوں کے لیے ایک ناگزیر ضرورت بن گیا ہے، بینک، انشورنش، اسٹاک ایکسچینج وغیرہ ایسے ادارے ہیں جنھیں ملک وقوم کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے بغیر اقتصادی سرگرمیوں کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ سب نہ صرف سود سے آلودہ ہے بلکہ ان کا خمیر ہی سود سے اٹھا ہے۔ آپ مشرق میں ہوں یا مغرب میں کسی ایسے ملک میں ہوں جہاں الحاد لادینی اور مادیت کا دور دورہ ہو یا ایسی جگہ جہاں اسلام، کتاب وسنت اور شریعتِ محمدی جیسے الفاظ کی گونج سنائی دیتی ہو سود سے اپنا دامن نہیں بچا سکتے۔

اسلام میں سود کی حرمت پر جو سخت ترین وعیدیں آئی ہیں اس نے بہت سے لوگوں کو اس کا بدل تلاش کرنے پر مجبور کیا۔ اس کے لیے مختلف جگہوں پر اجتماعی اور انفرادی کوششیں بھی ہوئیں لیکن معاملہ امکانی جائزوں، تجویزوں اور قرار دادوں کی بھول بھلیوں میں گم ہوتا رہا جس کی بڑی وجہ اس پروپیگنڈہ کا اثر تھا کہ غیر سودی بینکوں کا قیام سودی بینکوں کی موجودگی میں ناممکن ہے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ کے کچھ نیک بندوں نے اپنی جدوجہد جاری رکھی اور بالآخر ۱۹۶۲ء میں جرمنی کے تعاون سے مصر کے شہر میت غمر میں پہلے غیر سودی بینک کے قیام میں انھیں کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کامیاب تجربہ کی بنیاد پر ۱۹۷۹ء میں "دبئی اسلامی بینک" کا قیام عمل میں آیا جس کی اعلیٰ خدمات، صاف ستھرا نظام اور خدمتِ خلق کے جذبہ کی وجہ سے بہت جلد اس نے بینکوں کی دنیا میں اپنا الگ مقام بنالیا۔ اس کی افادیت اور کامیابی کو دیکھتے ہوئے دیگر مقامات پر بھی اس طرح کے بینک قائم کیے گئے۔

چنانچہ اب تک دنیا کے مختلف ممالک میں ۷۰ سے زیادہ ایسے بینک قائم ہو چکے ہیں جو غیر سودی بنیادوں پر کامیابی کے ساتھ اقتصادی سرگرمیوں میں اپنا رول ادا کر رہے ہیں۔

ان بینکوں نے سرمایہ کاری کے فروغ اور دیگر اقتصادی سرگرمیوں کی انجام دہی کے لیے جن شرعی بنیادوں پر اپنا نظام استوار کیا ہے اس میں "مرابحہ" کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔

مرابحہ بیع کی ایک قسم ہے فقہاء نے اس کی حسب ذیل تعریفیں کی ہیں:

نقل ما ملكه بالعقد الاول بالثمن الاول [1]	یہ کسی چیز کو اس کی قیمت خرید پر (منافع کے اضافہ کے ساتھ) فروخت کرنا ہے۔
المرابحة بمثل الثمن الاول وزيادة ربح [2]	مرابحہ نام ہے کسی چیز کی پہلی قیمت پر منافع کی زیادتی کا۔
المرابحة مصدر رابح و شرعًا بيع ما ملكه بما قام عليه وبفضل مؤنه [3]	المرابحہ رابح کا مصدر ہے۔ شریعت میں اس سے مراد کسی چیز کو اس کی اصل لاگت پر منافع کے اضافہ کے ساتھ فروخت کرنا ہے۔
انه بيع بمثل الثمن الاول مع زيادة الربح [4]	مرابحہ ایسی بیع ہے جس میں کسی چیز کو اس کی پہلی قیمت پر نفع کے اضافہ کے ساتھ فروخت کیا جائے۔

قرآن سے ثبوت:

وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (المزمل: ۲۰)	اور بعض خدا کے فضل کی تلاش میں سفر کرتے ہیں۔
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (البقرہ: ۱۹۸)	تمہیں اس کا کچھ گناہ نہیں کہ تم اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو۔
اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ (البقرہ: ۲۷۵)	اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے۔
اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (النساء: ۲۹)	اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ ہو تو جائز ہے۔)

مرابحہ اللہ کا فضل ہے جو انسان کو اس کی کوششوں اور جد وجہد کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ آیت میں لفظ بیع عام ہے جو بیع کی ان تمام صورتوں پر صادق آتا ہے جنھیں شریعت نے ممنوع قرار نہ دیا ہو۔

حدیث سے ثبوت:

اذا اختلف الجنسان	جب اجناس مختلف ہوں تو پھر جیسے
فبیعوا کیف شئتم [۵]	چاہو بیچو۔

مرابحہ میں بھی مختلف اجناس کی تبدیلی ہوتی ہے اس لیے یہ جائز ہوگا۔

علامہ ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں "مرابحہ" اور تولیہ" کے ضمن میں اس بات کی صراحت کردی ہے کہ اس کے جواز کے لیے الگ سے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ یہ بیع کی ایک قسم ہے اور بیع کا جواز قطعی دلائل سے ثابت ہے۔

ولا یخفی انه لا یحتاج	مرابحہ کے جواز کے لیے الگ سے کسی
الی دلیل خاص لجوازھا، بعد	دلیل کی ضرورت نہیں ہے کہ اس لیے کہ
الدلیل المثبت لجواز البیع مطلقا	مطلقاً بیع کا جواز ثابت ہے جو فریقین کی
بما تراضیا علیه بعد ان لا یخل بما	رضامندی سے ہو اور اس میں وہ تمام
علم شرطا للصحة، بل دلیل شرعیة	شرائط موجود ہوں جو بیع کے صحیح ہونے
البیع مطلقا یشروطه المعلومة ھو	کے لیے ضروری ہیں لہٰذا مطلقاً بیع کے
دلیل جوازھا [۶]	جواز کی دلیل مرابحہ کے جواز کی دلیل ہوگی۔

مرابحہ کا رواج عربوں میں قدیم زمانہ سے موجود تھا۔ اسلام نے بھی اسے عام لوگوں کی افادیت کے پیش نظر باقی رکھا اس لیے کہ بہت سے لوگ خرید و فروخت کا تجربہ نہیں رکھتے اور نہ ہی وہ تجارتی اور کاروباری دنیا کے نشیب و فراز سے واقف ہوتے ہیں چنانچہ اپنی سادگی اور ناواقفیت کی وجہ سے چیزیں غیر معمولی طور پر گراں خرید لیتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں۔

مرابحہ ایسے لوگوں کو نقصان سے بچانے کا اہم ذریعہ ہے اس طرح کہ یہ لوگ خود خریدنے کے بجائے ان لوگوں کے ذریعہ خریداری کرتے ہیں جنھیں خرید و فروخت کا تجربہ ہوتا ہے اور وہ مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ سے بھی واقفیت رکھتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص پہلے سامان خود خریدتا ہے اور پھر اس پر اپنا منافع رکھ کر دوسری قسم کے

لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ اس سے جہاں ایک شخص کو منافع کی شکل میں فائدہ ہوتا ہے وہیں دوسرا شخص اس نقصان سے بچ جاتا ہے جو اسے ناواقفیت کی وجہ سے براہ راست خریداری کی صورت میں ہو سکتا تھا کہ۔ اس حقیقت کی جانب صاحب ہدایہ نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

والحاجة ماسة الى هذا	بیع کی یہ صورت ایک ناگزیر ضرورت
النوع من البيع لان الغبي	ہے۔ اس لیے کہ بہت سے سادہ لوح
الذى لا يهتدى من التجارة	لوگ جو کاروباری شعور سے نابلد ہوتے
يحتاج الى ان يعتمد فعل	ہیں انھیں اس بات کی ضرورت پڑتی
الذكى المهتدى [۵]	ہے کہ وہ اس کے لیے کسی ماہر اور تجربہ کار
	شخص کی خدمات کا سہارا لیں۔

مرابحہ کا بنیادی مقصد ہی چونکہ عام سادہ لوح لوگوں کو راست خریداری کے نتیجہ میں ہونے والے خسارہ سے بچانا ہے اس لیے امانت و دیانت کو مرابحہ کے معاملہ میں غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے اور ایسی تمام صورتوں کو ممنوع قرار دیا گیا ہے جن کی وجہ سے مرابحہ کا بنیادی مقصد ہی فوت ہو جاتا ہو اور یہ عام لوگوں کے لیے فائدہ کے بجائے نقصان کا ذریعہ بن جائے اس کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ وہ شخص جس پر مرابحہ کے سلسلے میں اعتماد کیا گیا ہو خیانت سے کام لے اور کسی چیز کی اصل قیمت یا اس پر جو لاگت آئی ہو اس سے زیادہ ظاہر کرے اور پھر اس پر منافع رکھ کر مرابحہ کرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ خود ہی کسی وجہ سے سامان غیر معمولی طور پر گراں خرید لے یا نقد کے بجائے ادھار کرے جو عموماً زیادہ ہوتا ہے اور جان بوجھ کر اس کا اظہار نہ کرے۔

امانت و دیانت

امانت و دیانت کو شریعتِ اسلامی میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسلام نے تمام معاملات میں سختی کے ساتھ اس کی تاکید کی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ [۶]

اے ایمان والو! نہ تو خدا اور رسول کی

اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِکُمْ۔ (الانفال: ۲۷) — امانت میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔

معاملات کسی بھی نوعیت کے ہوں ان میں امانت داری کا خیال رکھنا ضروری ہے لیکن مرابحہ میں اس کی اہمیت دیگر معاملات کے مقابلہ میں زیادہ ہے اس لیے کہ خیانت کی وجہ سے نہ صرف مرابحہ کی افادیت مجروح ہوتی ہے بلکہ وہ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اس لیے مرابحہ میں یہ بات ضروری ہوگی کہ سامان کی بالکل صحیح قیمت بیان کی جائے اگر اس میں کوئی نقص یا عیب ہو تو اسے بھی واضح کر دے اور خیانت سے کام نہ لے۔

ولہٰذا کان مبناھما علی الامانۃ والاحتراز عن الخیانۃ وعن شبہتہا۔[۵] — مرابحہ اور تولیہ کی بنیاد امانت پر رکھی گئی ہے جس کا تقاضا ہے کہ خیانت اور اس کے امکان سے بھی گریز کیا جائے۔

مرابحہ کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ سامان کی اصل قیمت بالکل صحیح بیان کی جائے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اصل قیمت سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں اور کن چیزوں کو قیمت خرید کے ساتھ شامل کیا جائے گا؟ حنفیہ کے یہاں اُسے تمام تر عرف وعادت پر چھوڑ دیا گیا ہے لہٰذا کاروباری دنیا میں جن چیزوں کو اصل قیمت کے ساتھ شامل کیا جاتا ہے اسے شامل کیا جائے گا۔

والاصل ان عرف التجار معتبر فی بیع المرابحۃ فما جری العرف بالحاقۃ برأس المال یلحق بہ وما لا فلا۔[۶] — مرابحہ کے سلسلہ میں تاجروں کے درمیان رائج عرف کا اعتبار کیا جائے گا کاروباری لوگ جن اخراجات کو کسی چیز کی قیمت میں شامل کرتے ہیں انھیں شامل کیا جائیگا اور جسے وہ نہیں کرتے اسے شامل نہیں کیا جائے گا۔

اصل قیمت کا تعین کرتے ہوئے ان امور کا بھی خیال رکھا جائے گا جو سامان کی قدر وقیمت میں اضافہ کرتے ہوں لہٰذا سامان کی قیمت کے ساتھ ٹرانسپورٹیشن اور آفیشل اخراجات کے علاوہ ریپرنگ یا کلر وغیرہ کے اخراجات بھی شامل کیے جائیں گے۔

البتہ یہ سوال کہ بعض ڈیلرس یا اداروں کو ان کے کاروباری تعلقات کی بنیاد پر خصوصی ڈسکاؤنٹ یا کمیشن حاصل ہوتا ہے۔ جس سے سامان کی قیمت بازار کے عام نرخ سے کم

ہوجاتی ہے تو مرابحہ کرتے ہوئے کمیشن کے ساتھ اصل قیمت کا ذکر کیا جائے گا یا کمیشن کے بغیر اس کی مکمل قیمت کا ذکر کیا جائے گا اور کمیشن مرابحہ کرنے والے کا سمجھا جائے گا اس لیے کہ یہ اس کے تعلقات، اثر ورسوخ اور کوششوں کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔

اس بات کا تعین کرتے ہوئے ہمیں یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ مرابحہ کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ مرابحہ کرنے والے کے تجربات اور اس کے کاروباری تعلقات سے عام خریداروں کو فائدہ پہنچے اور وہ اس کے ذریعہ کم سے کم نرخ پر سامان حاصل کرسکیں جو ان کے لیے براہِ راست مارکیٹ سے خریداری کی صورت میں ممکن نہیں ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ کمیشن یا ڈسکاؤنٹ کے نام سے قیمت میں جو تخفیف ہوتی ہے اس تخفیف شدہ قیمت کا ہی ذکر مرابحہ کرتے ہوئے کیا جائے۔ صاحب مبسوط کی اس صراحت سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے۔

اذا باع المتاع مرابحة	کسی چیز کو کوئی مرابحہ کی بنیاد پر فروخت
ثم حط البائع الاول منه	کردے اور پھر مرابحہ کرنے والے نے
شيئاً من الثمن الاول فانه	جس سے خریدا تھا وہ قیمت میں تخفیف
يحط ذالك من المشترى	کردے تو مرابحہ کی بنیاد پر جسے سامان
الاخر و حصته من الثمن[1]	فروخت کیا گیا ہے اس کی قیمت میں
	بھی کمی کی جائے گی (اسی تناسب سے
	منافع میں بھی)

مرابحہ کرتے ہوئے اصل قیمت کا ذکر کیا جانا ضروری ہے اس سلسلہ میں ایک اور بات جو اہم ہے وہ یہ کہ اگر مرابحہ کرنے والے نے کوئی چیز ادھار خریدی ہو تو اس کی بھی صراحت کردے اس لیے کہ ادھار قیمت عموماً نقد کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہے اور مرابحہ کیے جانے کی صورت میں اس بات کا قوی امکان ہوتا ہے کہ خریدار کو اس سے وہ فائدہ حاصل نہ ہو جس کی نقد کی صورت میں مرابحہ پر خریداری کے ذریعہ توقع کی جاسکتی ہے۔

لامساواة بين النقد والنسيئة	نقد اور ادھار برابر نہیں ہوسکتے اس
لان العين خير من الدين و	لیے کہ عین دین سے اور نقد ادھار سے
المعجل اكثر قيمة من المؤجل[2]	زیادہ قدر و قیمت کا حامل ہوتا ہے۔

۴۱۳

لو اشتری نسیئۃ ثم یبعہ	اگر ادھار کچھ خریدا ہے تو اس کی وضاحت
مرابحہ حتی یبین [۱۲]	کیے بغیر اسے مرابحہ پر فروخت نہیں کرے گا۔
الانسان فی العادۃ یشتری	لوگ اکثر نقد کے مقابلہ میں ادھار
الشیئ بالنسیئۃ باکثر مما یشتری بالنقد [۱۳]	زیادہ قیمت دے کر خریدتے ہیں۔

اسی طرح مرابحہ کرنے والے کے لیے یہ بات بھی ضروری ہوگی کہ اگر اس نے کوئی چیز کسی وجہ سے غیر معمولی طور پر گراں خریدی ہے اور اسے اس کا اندازہ ہے تو اس کی وضاحت کردے اس لیے کہ اس سے مرابحہ کی افادیت مجروح ہوتی ہے۔

واذا اشتری شیئا باکثر من	اگر کسی نے سامان اتنا گراں خرید لیا
ثمنہ مما لا یتغابن الناس فی	جو عموماً لوگ نہیں خریدتے اور اسے اس
مثلہ وھو یعلم ذلک فلیس لہ ان	بات کا اندازہ ہے تو مرابحہ کی بنیاد پر
یبیعہ مرابحۃ من غیر بیان [۱۴]	اسے بغیر وضاحت کے فروخت نہیں کرے گا۔

خیانت کے اثرات

مرابحہ کے معاملہ میں خیانت کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اصل قیمت کی مقدار میں خیانت ہو یا اس کی صفت میں۔

اصل قیمت کی مقدار میں خیانت کا مطلب یہ ہے کہ مرابحہ کرنے والا قیمت میں کسی ایسی چیز کو شامل کردے جو تجارتی عرف و عادت کے خلاف ہو یا سامان کا کچھ حصہ رکھ لے یا بدل دے یا اس نے سامان غیر معمولی طور پر گراں خریدا ہو اور اس کا ذکر نہ کرے۔

اصل قیمت کی صفت میں خیانت سے مراد یہ ہے کہ قیمت کے اوصاف میں سے کچھ چھپالے جیسے سامان ادھار خریدا ہو لیکن اس کا اظہار نہ کرے یا اس عیب کی وضاحت نہ کرے جو اس کی وجہ سے یا کسی اور کی وجہ سے سامان میں پیدا ہوا ہو۔

مرابحہ میں خیانت کی صورت میں خریدار کو اس بات کا اختیار دیا جائے گا کہ وہ مطلوبہ قیمت ادا کرکے سامان لے لے یا اگر چاہے تو سامان لوٹادے اس لیے کہ خیانت کی وجہ سے مرابحہ کی افادیت مجروح ہوتی ہے۔ لہٰذا خریدار کو اس بات کا حق حاصل ہوگا کہ وہ چاہے تو اس معاملے کو ختم کردے اور سامان لوٹادے لیکن خیانت سے واقفیت کے باوجود اگر

کوئی شخص سامان لینے پر رضامند ہو تو وہ پوری قیمت دے کر سامان لے سکتا ہے۔

وان خان فی المرابحة	اگر مرابحہ کرنے والا خیانت سے کام لے
فهو بالخیار ان شاء اخذ بکل	تو خریدار کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو مکمل قیمت
الثمن وان شاء ترك [۱۵]	دے کر لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔

اختیار کی یہ صورت اس وقت ہے جبکہ سامان اپنی اصلی حالت میں موجود ہو لیکن اگر خریدار نے سامان کو استعمال کر لیا یا وہ اس کے پاس سے ضائع ہو گیا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے قول کے مطابق اسے پوری قیمت کی ادائیگی لازم ہوگی جبکہ امام ابو یوسف اور دیگر فقہاء کے قول کے مطابق خیانت کی مقدار اور اسی تناسب سے منافع میں کمی کر دی جائے گی۔

واذا باع المتاع مرابحة	اگر کوئی شخص مرابحہ کی بنیاد پر سامان
فخانه فیه، فالمشتری بالخیار	فروخت کرے لیکن اس میں خیانت سے
اذا اطلع علیه، ان شاء اخذه	کام لے اور خریدار کو اس کا پتہ چل جائے
بجمیع الثمن وان شاء ترك	تو اسے اختیار ہوگا۔ چاہے تو مطلوبہ قیمت
وان استهلك المتاع او بعضه	ادا کر کے سامان لے لے اور چاہے تو چھوڑ
فالثمن کله لازم فی قول ابی	دے۔ لیکن اگر سامان جزئی یا کلی طور پر
حنیفة ومحمد وقال ابو یوسف	ضائع ہو گیا ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد
وابن ابی لیلی، یحط عن الخیانة	کے قول کے مطابق پوری قیمت ادا کرنی
وحصتها من الربح علی کل	ہوگی جبکہ امام ابو یوسف اور ابن ابی لیلیٰ
مال ولا خیار له فی ذلك [۱۶]	کی رائے ہے کہ قیمت میں خیانت کے بقدر
	کم کر دی جائے گی اور اسی تناسب سے
	منافع میں بھی کمی کی جائے گی۔

مرابحہ کی شرطیں

مرابحہ کے صحیح ہونے کے لیے عمومی شرطیں وہی ہیں جو بیع کے صحیح ہونے کے لیے ہیں البتہ اس کی خاص شرطیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ پہلی بیع صحیح ہو اس لیے کہ مرابحہ کی بنیاد پہلی بیع پر ہوتی ہے لہٰذا اگر وہ صحیح نہ

ہوگی تو پھر اس کی بنیاد پر مرابحہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔

۲۔ سامان کی اصل قیمت سے مرابحہ کی بنیاد پر خریدنے والا واقف ہو۔

۳۔ اصل قیمت ذوات امثال میں سے ہو یعنی اس کا بدل موجود ہو اور اگر ذوات قیم ہو تو اس کی ادائیگی پر قدرت ہو۔

۴۔ منافع کی مقدار سے خریدار واقف ہو۔

۵۔ سامان کی اصل قیمت کا تعلق ایسی جنس سے نہ ہو جو ربا کے زمرہ میں آتی ہیں اس لیے کہ ایسی صورت میں منافع کا اضافہ صحیح نہ ہوگا۔

مرابحہ اور غیر سودی بینک کاری

مرابحہ کی عام صورت جس کا ذکر فقہ کی کتابوں میں ملتا ہے یہی ہے کہ کسی چیز کو اس کی اصل قیمت پر منافع کے اضافہ کے ساتھ فروخت کر دیا جائے، غیر سودی بنیاد پر منظم کیے گئے اسلامی بینکوں اور مالی اداروں نے اس کے تطبیق کی جو صورتیں اختیار کی ہیں وہ اس سے کسی قدر مختلف ہیں لیکن اس میں مرابحہ کی بنیادی فکر بہر حال موجود ہے۔ اس طرح کہ بینک بھی کسی چیز کو خریدنے کے بعد اصل قیمت پر متعین منافع رکھ کر دوسرے کے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔

غیر سودی بنیادوں پر قائم کیے جانے والے بینک جو خلیجی ممالک کے علاوہ پاکستان، بنگلہ دیش، سوڈان، ترکی، موریتانیا، مصر، اردن اور لکسمبرگ وغیرہ میں کامیابی کے ساتھ سرگرم عمل ہیں۔ ان سب نے مرابحہ وسیع پیمانہ پر اختیار کیا ہے اس لیے کہ اس کے ذریعہ جہاں عام لوگوں کو اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے سودی اداروں یا بینکوں کا بدل اس شکل میں مل گیا ہے وہیں یہ خود بینک کے لیے بھی منافع کمانے کا اچھا ذریعہ ہے۔

ان بینکوں نے سود یا ایسے کاروبار جو غیر اسلامی ہوں ان سے بچنے کے لیے اپنا شرعی مشیر مقرر کر رکھا ہے۔ جن سے وہ مالی معاملات کو شریعتِ اسلامی کے مطابق انجام دینے میں مدد لیتے ہیں یا پھر وہ اس کے لیے اپنے یہاں قائم نگراں شرعی تنظیم سے رجوع کرتے ہیں جو ھیئۃ الرقابۃ الشرعیۃ کے نام سے جانی جاتی ہے۔ ان کے مقرر کردہ ضابطوں میں اختلاف کی وجہ سے اس طرح کے بینکوں میں مرابحہ کی رائج صورتوں میں یکسانیت نہیں

ہے پھر بھی مرابحہ کا اصل جوہر ان سب میں قدر مشترک کے طور پر موجود ہے۔

ان بینکوں میں مرابحہ کی جو شکلیں رائج ہیں، تفصیل سے قطع نظر اسے تین مرحلوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ خریداری کی درخواست۔

۲۔ خریداری کا وعدہ۔

۳۔ مرابحہ کی بنیاد پر خریداری۔

پہلے مرحلہ کے تحت کوئی بھی شخص ادارہ یا کمپنی اپنے مطلوبہ سامان اور اس کے تفصیلی اوصاف کی وضاحت کے ساتھ ایک درخواست بینک کو پیش کرتا ہے جس میں اس بات کی صراحت کی جاتی ہے کہ اگر بینک مذکورہ سامان اس کے لیے خرید لے تو وہ مرابحہ کی بنیاد پر بینک سے اس سامان کو خرید لے گا۔

دوسرے مرحلہ کے تحت بینک مطلوبہ سامان پر لاگت کا تخمینہ، منافع کی مقدار، حوالگی کی صورتیں اور ادائیگی کی مدت وغیرہ پر باہمی رضامندی سے اتفاق کے بعد مذکورہ شخص سے اس بات کا تحریری وعدہ لیتا ہے کہ بینک جب مطلوبہ اوصاف کا حامل سامان حاصل کرے گا تو وہ اس سے مرابحہ کی بنیاد پر سامان خریدے گا۔

تیسرے مرحلہ کے تحت بینک سامان حاصل کر کے مذکورہ شخص کے حوالہ کرتا ہے اور وہ شخص سامان پر قبضہ کے بعد مرابحہ کی بنیاد پر طے شدہ شرائط کے مطابق قیمت کی ادائیگی کرتا ہے۔

اسلامی بینکوں میں مرابحہ کے لیے جو صورت اختیار کی ہے اس نے جہاں بعض نئے مسائل پیدا کیے ہیں وہیں ان کے بارے میں بعض غلط فہمیاں بھی ہیں، ہم انھیں حسب ذیل عنوانوں کے تحت ذکر کریں گے۔

۱۔ بیع ما لا یملک یا بیعتان فی بیعۃ

۲۔ وعدہ کا لزوم

۳۔ قیمت کی تاخیر سے یا قسطوں پر ادائیگی۔

بیع ما لا یملک یا بیعتان فی بیعۃ

اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ کی مذکورہ صورتوں پر کیے جانے والے شبہات میں سے

ایک یہ ہے کہ یہ ایسی چیز کی بیع کے مترادف ہے جو فروخت کرنے والے کے پاس موجود ہی نہ ہو اس لئے کہ بینک مرابحہ کی بنیاد پر کی جانے والی فروخت کی تفصیلات اِس وقت طے کرتا ہے جبکہ وہ سامان اس کے پاس سرے سے موجود ہی نہیں ہوتا حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

لایحل سلف وبیع ولا	قرض اور بیع ایک ساتھ جائز نہیں
شرطان فی بیع ولا ربح مالم	ہیں، نہ ہی بیع میں دو ہری شرط لگانا، نہ
یضمن ولا بیع ما لیس عندك[۱۷]	ایسا منافع جس کا ضامن نہ ہو اور نہ
	ایسی چیز کی بیع جو تمہارے پاس موجود نہ ہو۔

اسی طرح اس کے بارے میں اس شبہہ کا بھی اظہار کیا گیا ہے کہ یہ ایک بیع میں دو بیع کے مماثل ہے جسے حدیث میں صراحت کے ساتھ ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

من باع بیعتین فی	اگر کسی شخص نے بیک وقت بیع
بیعة فله اوکسهما	کے دو معاملے کر لیے تو کم قیمت والی
او الربا۔[۱۸]	بیع کا اعتبار ہوگا اور زیادتی کو ربا سمجھا
	جائے گا۔
نهی النبیؐ عن صفقتین	رسول اللہؐ نے ایک بیع کے تحت
فی صفقة[۱۹]	دو بیع سے منع فرمایا ہے۔

مذکورہ شبہات دراصل اس غلط فہمی پر مبنی ہیں کہ مرابحہ کے انعقاد سے پہلے جو دو مرحلے بینکوں میں رائج ہیں انھیں بھی بیع سمجھ لیا گیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ابتدائی دونوں مرحلے جس میں ایک فریق کسی خاص چیز کی خریداری کے لیے اپنی دلچسپی کا اظہار کرتا ہے اور اس بات کا وعدہ کرتا ہے کہ اگر بینک مذکورہ سامان خرید کر مرابحہ کی بنیاد پر اسے فروخت کرے تو وہ خریدے گا۔ یہ سرے سے بیع ہے ہی نہیں بلکہ اس کی حیثیت مرابحہ کی بنیاد پر خریداری میں دلچسپی کے اظہار اور خریداری کے وعدہ کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بینک سامان اپنے نام سے خریدتا ہے اور سامان کی دوسرے فریق کو حوالگی تک وہی اس کا مالک اور ذمہ دار ہوتا ہے لہٰذا اگر سامان دوسرے فریق کے سپرد کیے جانے سے پہلے ضائع ہو جائے یا اس میں عیب لگ جائے تو یہ نقصان تنہا بینک کا ہوتا ہے۔ دوسرے فریق پر اس کی

اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی ۔ لہٰذا بینکوں میں رائج مرابحہ کی مذکورہ صورتوں پر ان احادیث کا اطلاق سرے سے نہیں ہوتا جن میں ایسی چیز کی بیع سے منع کیا گیا ہے جس کا آدمی سرے سے مالک ہی نہ ہو یا دو بیع ایک بیع کے ضمن میں کی جارہی ہو۔

وعدہ کا لزوم

غیر سودی بینکوں نے مرابحہ کے لیے جو طریقہ کار اختیار کیا ہے اس کے تحت دوسرے فریق اور بینک کے درمیان کسی چیز کی خریداری پر اتفاق ہوتے ہی مرابحہ منعقد نہیں ہوجاتا بلکہ اس سے پہلے کئی کارروائیاں کی جاتی ہیں جن میں سرفہرست اس بات کا وعدہ ہے کہ جب بینک مطلوبہ سامان خرید لے گا تو دوسرا فریق مرابحہ کی بنیاد پر اس سے وہ سامان خرید لے گا۔ اس طرح کسی متعین سامان کے مرابحہ کی بنیاد پر خریداری کے وعدہ کی بنیاد پر بینک اس سامان کو حاصل کرتا ہے ۔ بینک کو اس سلسلہ میں اپنا مال اور تجربہ خرچ کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ مطلوبہ سامان کو مناسب قیمت پر خرید سکے ۔ اس کے علاوہ بینک اس بات کا بھی پابند ہوتا ہے کہ وہ مذکورہ سامان کسی تیسرے فرد کے ہاتھ فروخت نہ کرے اگرچہ اسے زیادہ قیمت مل رہی ہو۔ لہٰذا دوسرے فریق نے جو سامان خریدنے کا وعدہ کیا ہے ۔ اس کی پابندی لازم ہونی چاہیے ۔ اگر یہ وعدہ لازم قرار نہ دیا جائے تو اس سے بینک کو نقصان کا اندیشہ ہے ۔

وعدہ کے بارے میں عام فقہاء کا موقف یہی ہے کہ یہ دیانتہ لازم ہوتا ہے اور اس کی خلاف ورزی گناہ کبیرہ کے زمرہ میں آتی ہے لیکن قضاءً اس کا پورا کیا جانا لازمی نہیں ہے ۔ یعنی کوئی شخص اگر اپنا وعدہ پورا نہ کرے تو اس کے خلاف عدالتی کارروائی نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی اس پر جبر کیا جاسکتا ہے ۔

وعدہ کے لزوم سے متعلق جو شہادتیں ملتی ہیں ان کے عمومی جائزہ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ معاملات میں لازمی ہونی چاہیے خاص طور سے ایسی صورت میں جبکہ اس سے کسی کو نقصان پہنچنے کا امکان ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ، كَبُرَ

مومنو تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے خدا اس بات سے سخت

مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف: ۳۲) — بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (الاسراء: ۳۴) — عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہوگی۔

حدیث میں ہے:

آیۃ المنافق ثلاث: اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا ائتمن خان۔ [۲۰] — منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب وہ بولے گا تو جھوٹ بولے گا جب وعدہ کرے گا تو اس کی خلاف ورزی کرے گا اور اگر اس کے پاس کوئی امانت رکھے تو اس میں خیانت کرے گا۔

علامہ ابن حزم نے ان دلائل کے پیش نظر ہر طرح کے وعدہ کو لازم قرار دیا ہے:

والظاهر من هذه الادلة ان الوعد سواء كان لصلة او برام بغير ذلك واجب الوفاء به۔ اذ لم تفرق النصوص بين وعد ووعد هذا ما روى عن ابن شبرمة، حيث قال: الوعد كله لازم ويقضى به على الواعد ويجبر [۲۱] — ان دلائل سے یہ بات واضح ہے کہ وعدہ کا تعلق صلہ رحمی سے ہو۔ بھلائی کے کام سے یا کسی اور چیز سے، اس کا پورا کیا جانا ضروری ہے اس لیے کہ نصوص میں وعدوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے۔ یہی بات ابن شبرمہ سے منقول ہے ان کا خیال ہے کہ سارے وعدے لازم ہوں گے۔ وعدہ خلافی کی صورت میں وعدہ کرنے والے کے خلاف کارروائی کی جائے گی اور اس پر جبر کیا جائے گا کہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے۔

امام بخاری نے کتاب الشہادات کے تحت ایک مستقل باب قائم کیا ہے "باب من امر بانجاز الوعد" اس میں انھوں نے نقل کیا ہے کہ حسن بصری، سعید بن عمرو بن الاشوع قاضی کوفہ اور سمرہ بن جندب وعدہ کے لزوم کے قائل تھے۔

یہ بات اس فتویٰ سے بھی واضح ہے جو بیت التمویل الکویتی کے صدر احمد بدیع الیاسین نے اپنے شرعی مشیر الشیخ بدر المتولی عبدالباسط سے دریافت کیا تھا۔

نرجو افتائکم فی مدی جواز قیامنا بشراء السلع وابضائع نقداً ابناءً علی رغبة وعد من شخص ما، بانه مستعد اذا املکنا السلعة وقبضناها ان یشتریها منا بالاجل وباسعار اعلی من اسعار نقدیة ومثال ذلك ان یرغب احد الاشخاص فی شراء سلعة او بضاعة معینة لکنه لا یستطیع دفع ثمنها نقداً، فنعتقد بانه اذا اشتریناها وقبضناها سوف یشتریها منا بالاجل مقابل ربح معین مشار الیه وعدا سابق۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس سلسلہ میں کہ ہم کوئی چیز کسی کے اس وعدہ کی بنیاد پر نقد خریدیں کہ سامان کے حاصل کرنے اور اس پر قبضہ کے بعد وہ ہم سے ادھار خریدے گا جو نقد قیمت کے مقابلہ میں زیادہ ہوگی۔

بطور مثال کوئی شخص کسی متعین سامان کو خریدنے میں دلچسپی رکھتا ہو لیکن اس کی نقد قیمت ادا نہ کر سکتا ہو۔ تو اس خیال کے پیش نظر کہ اگر ہم وہ سامان خرید کر اس پر قبضہ کر لیں تو وہ ہم سے ادھار خرید سکتا ہے ایک متعین منافع کے ساتھ جس کی تعیین پہلے سے کر دی گئی ہو۔

الجواب:

ان ما صدر من طالب الشراء یعتبر وعدا ونظراً لان الائمة قد اختلفوا فی هذا الوعد هل هو یلزم ام لا؟ فانی امیل الی الاخذ برائی ابن شبرمة الذی یقول: ان کل وعد بالالتزام لا یحل حراما ولا یحرم حلالا یکون وعدا ملزما قضاءً وديانةً وهذا ما تشهد له

جواب:

خریداری کے خواہشمند کی جانب سے جو بات کہی گئی ہے اس کی حیثیت وعدہ کی ہے فقہاء کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ وہ لازم ہوگا یا نہیں؟ میرے خیال میں ابن شبرمہ کی رائے قابل ترجیح ہے جن کا کہنا ہے، کہ ہر وہ وعدہ جو کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام نہ کرتا ہو اس کا پورا کرنا دیانتاً اور قضاءً لازم ہوگا، نصوص قرآنی اور احادیث نبوی اسی کی

ظواهر النصوص القرآنية والأحاديث النبوية والأخذ بهذا المذهب ييسر على الناس وعمل به يضبط المعاملات، لهذا ليس هناك مانع من تنفيذ مثل هذا الشرط ۲۲ھ

شہادت دیتے ہیں۔ اس نقطۂ نظر کے اپنانے میں لوگوں کے لیے سہولت ہے اور اس پر عمل کی صورت میں معاملات کی تنظیم اچھی طرح ممکن ہے اس لیے میں نہیں سمجھتا کہ اس قسم کے شرائط کے نفاذ میں کوئی حرج ہے۔

اسلامی بینک کاری کی پہلی کانفرنس جس کا انعقاد ۱۹۷۹ء میں دبئی میں ہوا تھا اور اس میں مختلف ممالک سے ۵۹ ممتاز علماء نے شرکت کی تھی اس نے بھی مذکورہ صورت میں وعدہ کے لزوم کی توثیق کی ہے۔

بان مثل هذا التعامل يتضمن وعدا من عميل المصرف بالشراء في حدود الشروط المذكورة عنها ووعدا آخر من المصرف بإتمام هذا البيع بعد الشراء طبقا للشروط۔

ان مثل هذا الوعد ملزما للطرفين قضاءً طبقا لاحكام المذهب المالكي وهو ملزم للطرفين ديانةً طبقًا لاحكام المذاهب الاخرى۔

وما يلزم ديانة يمكن الالزام به قضاءً اذا اقتضت المصلحة ذالك وامكن للقضاء التدخل فيه۔

یہ معاملہ دراصل دو وعدوں پر مشتمل ہے ایک تو اس شخص کی جانب سے خریداری کا وعدہ جو بینک سے کسی متعین سامان کی خریداری کی بعض شرائط کے ساتھ درخواست کرتا ہے دوسرا وعدہ بینک کی جانب سے ہوتا ہے کہ وہ متعین سامان حاصل کرنے کے بعد طے شدہ شرائط کے مطابق مذکورہ شخص کے ہاتھ فروخت کرے گا۔

اس قسم کا وعدہ فقہ مالکی کے مطابق فریقین کے لیے قضاءً لازم ہوگا جبکہ دیگر فقہی مذاہب اسے صرف دیانۃً لازمی قرار دیتے ہیں۔

جو چیز دیانتاً لازم ہو اسے قضاءً بھی لازم قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر مصلحت اس بات کا تقاضا کرے اور عدالت اس میں مداخلت کر سکتی ہے۔

اسلامی بینک کاری کی دوسری کانفرنس جو کویت میں ۱۹۸۳ء میں منعقد ہوئی تھی اور جس میں بارہ غیر سودی بینکوں کے نمائندوں کے علاوہ کئی ملکوں کے ممتاز علماء نے شرکت کی تھی۔ اس نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔

یقر المؤتمر ان المواعدة	یہ کانفرنس اس بات کی تصدیق کرتی
علی بیع المرابحة للامر بالشراء	ہے کہ وعدہ جو خریداری سے متعلق مرابحہ
بعد تملك السلعة المشتراة	کی بنیاد پر ہو اس کے تحت سامان کے
وحیازتها ثم بیعها لمن امر	حصول اور اس پر قبضہ کے بعد متعینہ منافع
بشرائها بالربح المذکور	کے ساتھ خریداری کی درخواست کرنے
فی الموعد السابق، هو امر	والے کے ہاتھ فروخت کرنا شرعاً جائز ہے
جائز شرعا طالما کانت تقع علی	اگر سامان کی حوالگی سے پہلے اس کے
المصرف الاسلامی مسئولیة	ضائع ہونے کی صورت میں اسلامی بینک
الهلاك قبل التسلیم وتبعة الرد	اس کا ذمہ دار ہو اور کسی عیب کی صورت
فیما یستوجب الرد بعیب خفی	میں خریدار کو سامان لوٹانے کا حق حاصل ہو۔

ادھار یا قسطوں پر ادائیگی

عام طور سے یہ بینک اپنی خدمات کو زیادہ پرکشش اور مفید تر بنانے کے لیے عوام کو یہ سہولت دیتے ہیں کہ وہ مرابحہ کی بنیاد پر بینک سے سامان خریدیں اور اس کی ادائیگی ایک متعینہ مدت کے بعد کریں یا قسطوں پر ادا کریں۔ ادھار یا قسطوں پر ادائیگی کی صورت میں بینک اپنا منافع عموماً نقد ادائیگی کے مقابلہ میں کچھ زیادہ رکھتا ہے۔

بعض فقہاء نے نقد کے مقابلہ میں ادھار قیمت زیادہ رکھنے کو جائز قرار نہیں دیا ہے اس شبہہ کی بنیاد پر کہ قیمت میں اضافہ صرف مدت کی وجہ سے ہوتا ہے جو کہ ربا کی علت میں سے ایک ہے۔

جمہور فقہاء نے ادھار قیمت نقد کے مقابلہ میں زیادہ رکھنے کو جائز قرار دیا ہے اس لیے کہ یہ زیادتی تجارتی بنیاد پر باہمی رضامندی سے ہو رہی ہے لہٰذا یہ اس آیت اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ (النساء: ۲۹) کے تحت جائز ہوگا اس کے

علاوہ یہ کہنا کہ ہر وہ زیادتی جو مدت کی بنیاد پر ہو لازمی طور پر سود کے زمرہ میں شامل ہے صحیح نہیں ہے اس لیے کہ مدینہ سے بنو نظیر کے اخراج کے موقع سے آپؐ نے مدت کی بنیاد پر قرض میں تخفیف کا حکم دیا تھا۔ اس لیے مرابحہ کی بنیاد پر فروخت کا عمل ادھار ہو یا قسطوں پر، اس میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ یہ بات ضروری ہوگی کہ ادھار کی صورت میں مدت کی وضاحت کر دی جائے۔

اذا کان الثمن مؤجلا وزاد البائع فیہ من اجل التأجیل جاز لان للاجل حصۃ من الثمن والی ھذا ذھب الاحناف والشافعیۃ وزید بن علی والمؤید باللہ وجمہور الفقہاء لعموم الادلۃ القاضیۃ بجوازہ ورجحہ الشوکانی [۲۳]	اگر ادھار کی وجہ سے بیچنے والا قیمت میں زیادتی کر دے تو یہ بات جائز ہوگی۔ اس لیے کہ قیمت کے تعین میں مدتِ ادائیگی کا اہم رول ہوتا ہے۔ فقہاء احناف، شوافع، زید بن علی، موید باللہ اور جمہور فقہاء کا ان واضح دلائل کی بنیاد پر جو اس سلسلہ میں ملتی ہیں یہی موقف ہے۔ علامہ شوکانی نے بھی اس رائے کو ترجیح دی ہے۔

قیمت کی ضمانت

غیر سودی ادارے جو مرابحہ کی بنیاد پر اپنے خریداروں کو ادھار یا قسطوں پر ادائیگی کی سہولت فراہم کرتے ہیں۔ انھیں عملی طور پر ایک بڑی دشواری یہ پیش آئی ہے کہ خریدار معاہدہ کے مطابق وقت پر قیمت کی ادائیگی نہیں کرتے۔ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے ادارے ادائیگی میں تاخیر کا کوئی معاوضہ وصول نہیں کرتے اس لیے کہ یہ سود کے ضمن میں آئے گا۔ اس کی وجہ سے ان اداروں کو عموماً نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

اس نقصان سے بچنے کے لیے یہ ادارے اگر شخصی ضمانت، رہن یا حوالہ وغیرہ کی شرط لگائیں تو یہ بالکل جائز ہوگا، فقہاء نے صراحت کے ساتھ اس بات کی اجازت دی ہے۔

یری الحنفیۃ جواز شرط الضمان فی العقد۔ لانہ من	معاملات میں ضمانت کی شرط کو فقہاء احناف نے جائز قرار دیا ہے اس لیے

الشروط التی توکد موجب العقد ومقتضیاته، لکن جواز هٰذا الشرط جاء بالاستحسان علی خلاف القیاس، ذلك ان الرهن والکفالة والحوالة عقود شرعت توثیقا للثمن فهی توجب تاکید ما اُوجبه البیع وهو الثمن۔ [۲۴]

کہ یہ اس کی تکمیل میں کافی حد تک معاون ہوتا ہے، یہ جواز بطور استحسان ہے ورنہ قیاس کا تقاضا ہے کہ ایسی شرط نہ لگائی جائے۔ یہ ضمانت رہن، کفالت یا حوالہ کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے اس سے قیمت کی ادائیگی کے امکانات کی مزید توثیق ہوتی ہے جو بیع کی وجہ سے خریدار کے ذمہ لازم ہوتی ہے۔

اس طرح ادائیگی میں تاخیر یا عدم ادائیگی کی صورت میں ان تجویزوں پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے جو "عالمی اسلامی بینک برائے سرمایہ کاری" کے شرعی مشیر ڈاکٹر حسین حامد حسان نے پیش کی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ کسی حکم کی تعیناتی جو ادائیگی میں تاخیر کے نتیجہ میں بینک کو پہنچنے والے نقصان کا اندازہ کرے اور پھر یہ رقم خریدار سے وصول کی جائے۔

۲۔ بینک کو اس بات کا اختیار کہ بیع فسخ کر دینے کے بعد وصول شدہ قسطوں کو ضبط کرلے تاکہ اس سے اس نقصان کی تلافی ہوسکے جو بینک کو پہنچا ہے۔

۳۔ بقیہ قسطوں کی تحلیل اور فوری ادائیگی کا مطالبہ۔

مذکورہ صورتوں میں سے کسی پر بھی بینک عمل کرسکتا ہے اس لیے کہ قیمت کی عدم ادائیگی یا اس میں تاخیر اگر بغیر کسی معقول وجہ کے ہو تو یہ ایک طرح کا ظلم ہے۔ "مطل الغنی ظلم" (مال دار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے) جمہور فقہاء نے ایسے شخص کے قید کیے جانے اور اس کی املاک کو فروخت کرکے قرض کی ادائیگی کی اجازت دی ہے۔ اسی طرح بقیہ قسطوں کی تحلیل سے متعلق بھی یہ صراحت موجود ہے۔

علیه الف ثمن جعله ربه نجوما ان اخل بنجم حل الباقی فالامر کما شرطا [۲۵]

کسی پر ہزار درہم قرض ہوں، مالک نے ادائیگی کے لیے قسطیں مقرر کردی ہوں اور یہ شرط لگادی ہو کہ ایک بھی قسط وقت پر وصول نہ ہوئی تو قرض کی بقیہ رقم فوراً وصول کی جائے گی تو یہ شرط لگانا جائز ہے۔

مراجع

۱ھ شرح فتح القدیر ۶/۱۲۲

۲ھ عالمگیری ۳/۱۶۰

۳ھ ردالمحتار علی الدرالمختار ۴/۱۵۲

۴ھ بدائع الصنائع ۵/۲۲۰

۵ھ صحیح مسلم مع شرح النووی ۴/۹۸

۶ھ شرح فتح القدیر ۶/۱۲۳

۷ھ ایضاً ۸ھ ایضاً

۹ھ عالمگیری ۳/۱۶۲

۱۰ھ المبسوط ۱۳/۸۴

۱۱ھ بدائع الصنائع ۵/۱۸۷

۱۲ھ عالمگیری ۳/۱۶۳ ۱۳ھ المبسوط ۱۳/۷۸

۱۴ھ المبسوط ۱۳/۸۶

۱۵ھ عالمگیری ۳/۱۶۲

۱۶ھ المبسوط ۱۳/۸۶

۱۷ھ ترمذی ۱۸ھ ابوداؤد ۱۹ھ مسند احمد

۲۰ھ صحیحین، کتاب الایمان

۲۱ھ المحلی ج ۸ المسئلہ ۱۱۲۵

۲۲ھ الفتاوی الشرعیۃ لبیت التمویل الکویتی ۱/۱۶

۲۳ھ فقہ السنۃ ۳/۷۳

۲۴ھ بدائع الصنائع ۱۳/۱۸

۲۵ھ ردالمحتار علی الدرالمختار ۴/۲۴

نصاریٰ اور قرآن

محمد رضی الاسلام ندوی

قرآن کریم نے گزشتہ قوموں میں سے یہود اور نصاریٰ کا تذکرہ بطور خاص کیا ہے یہود کی سرکشیوں، نافرمانیوں، بداعمالیوں اور ان پر ملنے والی سزاؤں کا بیان اس میں بہت تفصیل سے ہے البتہ نصاریٰ کا تذکرہ نسبتہً مختصر ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اہل کتاب ہونے کے باوجود وہ لوگ زیادہ عرصہ تک دین حق پر قائم نہ رہ سکے اور ان میں اعتقادی، اخلاقی اور معاشرتی برائیاں در آئیں۔ اس تذکرہ سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان ان غلطیوں سے بچیں جن کا اہل کتاب شکار ہو گئے تھے اور ان کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔ اس مقالہ میں قرآن کی روشنی میں نصاریٰ کے حالات سے بحث کی گئی ہے۔ ان کے باطل عقائد اور غلط تصورات بیان کیے گئے ہیں اور ان کے انجام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی بعثت

الٰہی تعلیمات کو پس پشت ڈال دینے کے نتیجے میں یہود میں بہت سی برائیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ وہ شرک میں مبتلا ہو گئے تھے، دنیا کی لذتوں میں محو ہو کر انھوں نے آخرت کو فراموش کر دیا تھا، وہ مال و دولت کے حریص بن گئے تھے، دنیا پرستی کی وجہ سے نوبت باہم جنگ و جدال اور کشت و خون تک جا پہنچی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے متعدد پیغمبر بھیجے مگر انھوں نے ان کی باتوں پر کان نہیں دھرا، انھیں جھٹلایا حتیٰ کہ بعض پیغمبروں کو قتل بھی کر دیا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے ان پر اتمام حجت کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ حضرت عیسیٰؑ نے انھیں توحید اختیار کرنے اور شرک اور مظاہر شرک سے اجتناب کرنے کی دعوت دی۔ توریت کی تصدیق کرتے ہوئے اس کے احکام پر عمل کرنے کی ترغیب دی اور جن چیزوں

کو انھوں نے نام نہاد پارسائی کے مظاہرہ کے لیے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا انھیں حلال کیا۔ قرآن نے ان کی دعوت کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ، إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ۔
(آل عمران: ۵۰-۵۱)

اور میں اس تعلیم وہدایت کی تصدیق کرنے والا بن کر آیا ہوں جو تورات میں سے اس وقت میرے زمانے میں موجود ہے اور اس لیے آیا ہوں کہ تمہارے لیے بعض ان چیزوں کو حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ دیکھو میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لے کر آیا ہوں۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ لہٰذا تم اسی کی بندگی اختیار کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

توحید پر زور دینے کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ نے خاص طور پر ان پہلوؤں پر توجہ دی جن میں یہود راہِ راست سے بھٹک گئے تھے۔ آپ نے مادی رجحان کو دبانے اور روحانیت کو ابھارنے کی کوشش کی۔ یہود کے طبقۂ علماء میں بھی بہت زیادہ بگاڑ آگیا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ نے ایک طرف عوام کو تاکید کی کہ وہ اپنے علماء کی باتیں تو سنیں مگر ان کی بداعمالیوں کی اقتداء نہ کریں[1] دوسری طرف آپ نے علماء واحبار کی برائیوں پر انھیں سخت الفاظ میں مذمت کی۔ یہی حقیقت قرآن میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ[2] (المائدہ: ۷۸)

بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے۔

---

[1] دیکھئے عہد نامہ جدید انجیل متی باب ۲۳ ۲-۳

[2] حضرت عیسیٰؑ کی زبانی یہود کی سرزنش اور لعنت کا ذکر عہد نامہ جدید میں بھی ہے مثال کے طور پر دیکھئے انجیل متی باب ۲۳ ۱۴-۳۹۔

یہود کی فطرت اتنی مسخ ہو چکی تھی کہ حضرت عیسیٰؑ کی تنبیہات پر بجائے اپنی اصلاح کرنے اور راہِ راست اختیار کرنے کے الٹے ان کے دشمن بن گئے اور رومی حکمراں کو آپ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرنے لگے۔ رومی حکمراں یہود کے مذہبی معاملات میں دخل دینے سے گریز کرتے تھے اور حضرت عیسیٰؑ کی دعوت اس وقت تک ایک دینی اور اخلاقی دعوت تھی۔ سیاست سے اس کا براہِ راست کوئی تعلق نہ تھا، اس لیے انھوں نے حضرت عیسیٰؑ سے کوئی تعرض نہ کیا۔ یہود تاک میں رہتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ سے کوئی چوک ہو تو وہ رومیوں کو آپ کے خلاف بھڑکا دیں۔ جب انھیں ایسی کوئی بات نہ ملی تو کذب بیانی اور بہتان تراشی کر کے رومی حکمراں پر دباؤ ڈالا اور انھیں گرفتار کروا کے اپنے زعم میں پھانسی دلوا دی[1]۔ اگرچہ قرآن نے صراحت کی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا معاملہ یہود پر مشتبہ بنا دیا گیا تھا اور انھیں ان کی دست درازیوں سے بچا کر اپنی حفاظت میں لے لیا تھا:

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى بْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ	اور انھوں نے کہا کہ ہم نے مسیح، عیسیٰ بن مریم۔ رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ فی الواقع انھوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا۔
(النساء: ۱۵۷)	

اوّلین پیروانِ مسیح

اگرچہ یہود کی اکثریت نے حضرت عیسیٰؑ کی دعوت کو رد کر دیا تھا اور رومی سلطنت کو ان کے خلاف اکسا کر انھیں تختۂ دار تک پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ مگر ان میں کچھ پاک طینت افراد ایسے بھی تھے۔ اگرچہ ان کی تعداد بہت ہی مختصر تھی جنھوں نے حضرت عیسیٰؑ کی دعوت پر لبیک کہا، ان کی تعلیمات پر ایمان لائے، ان کا ساتھ دیا اور حق کے گواہ بن کر کھڑے ہوئے۔ قرآن نے ایک جگہ اس کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ	جب عیسیٰؑ نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل

---

[1] حضرت عیسیٰؑ کے خلاف یہودی کاہنوں کی سازشوں کی تفصیل کے لیے دیکھئے انجیل متی باب ۲۶ و ۲۷

قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَاشْہَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰہِدِیْنَ (آل عمران: ۵۲)[1]

کفر و انکار پر آمادہ ہیں تو اس نے کہا "کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوتا ہے؟" حواریوں نے جواب دیا ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلم (اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دینے والے) ہیں۔ مالک جو فرمان تو نے نازل کیا ہے ہم نے اسے مان لیا اور رسول کی پیروی قبول کی۔ ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔

عہد نامہ جدید کے مختلف صحیفوں میں ان کے لیے "جو ایمان لائے" "ایمان داروں کی جماعت" "شاگردوں" "بھائیوں" اور "مقدسوں" جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں[2]

یہ لوگ خود کو موسوی شریعت کا پیرو سمجھتے تھے اور اسی کا اتباع کرتے تھے۔ ساتھ ہی حضرت عیسیٰؑ پر بھی ایمان لے آئے تھے۔ وہ حضرت عیسیٰؑ کو دوسرے انبیاء کی طرح ایک نبی مانتے تھے۔ ان حضرات کی تبلیغ کے نتیجے میں ابتدائی عہد میں ایسے لوگ خاصی تعداد میں ہو گئے تھے جو حضرت عیسیٰؑ کی لائی ہوئی تعلیمات پر صدق دل سے عمل کرتے تھے۔

پولوس کی تحریفات اور مروّج مسیحیت

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی حقیقی تعلیمات بہت جلد تحریف کا شکار ہو گئیں۔ آپ کے نام پر آپ کی پیروی کا دم بھرنے والوں نے ایسے ایسے عقائد اور تصورات گھڑ لیے جو آپ کی لائی ہوئی تعلیمات سے سراسر متضاد تھے۔ اس طرح انھوں نے ایک نیا دین بنا ڈالا جو مسیحیت یا عیسائیت کے نام سے موسوم ہوا۔ اس بنیادی تحریف کا اصل محرک شاؤل نامی ایک شخص تھا جو بعد میں پولوس رسیٹ پال کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ اصلاً

---

[1] حواریوں کے ایمان کا تذکرہ قرآن کے دیگر مقامات پر بھی آیا ہے دیکھئے المائدہ۔ ۱۱۱، الصف: ۱۴

[2] دیکھئے رسولوں کے اعمال ۲ب ۴۴ ب ۳۲ ب ۹ ب ۲۶ ب ۱۱ ب ۲۹ ب ۱۳ ب ۵۲ ب ۱۵ ب ۱، ۲۳۔ رومیوں کے نام خط ب ۱۵ ب ۲۵ کلسیوں کے نام خط ب ۲ وغیرہ۔

یہودیوں کے ایک فرقے فریسین سے تعلق رکھتا تھا اس نے نہ کبھی حضرت عیسیٰؑ کو دیکھا تھا، نہ ان سے کچھ سنا، بلکہ آپ کی زندگی میں اور آپ کے بعد کچھ سالوں تک آپ کی دعوت کا شدید مخالف رہا اور آپ کے پیروؤں کو ستاتا اور ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتا رہا[۱] ۳۸ء میں جب وہ دمشق میں موجود حضرت عیسیٰؑ کے پیروکاروں کو گرفتار کر کے یروشلم لانے کے لیے جا رہا تھا اچانک ایک مکاشفہ کے ذریعہ حضرت عیسیٰؑ کا "مخلص پیرو"[۲] بن گیا[۲] بعض محققین کا خیال ہے کہ پولوس کی مسیحیت سے عداوت نے اس کو آمادہ کیا کہ وہ بظاہر مسیحیت کا لبادہ اوڑھ کر ایک نئے ہتھیار سے اس کا مقابلہ کرے اور اسے اندر سے کھوکھلا کر دے[۳]

بہرحال پولوس نے حضرت عیسیٰؑ کے شاگردوں سے حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات جاننے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ بلکہ ان سے مختلف و متضاد عقائد اور تعلیمات پیش کر کے ان کے برحق اور جو لوگ حضرت مسیحؑ کی صحیح تعلیمات واضح کر رہے تھے ان کے برسرباطل ہونے کا دعویٰ کرنے لگا[۴] اس نے خود ساختہ مسیحیت کی تشکیل میں اپنے عہد کے مختلف مذاہب اور مختلف قوموں کے رسوم و رواج سے استفادہ کیا۔ اس نے بعض چیزیں یہودیت کی باقی رکھیں تاکہ یہودی عوام اس سے قریب ہو سکیں اور اس کی بعض چیزیں ساقط کر دیں تاکہ اس کا مذہب یہودیت میں گم نہ ہونے پائے۔ دوسری جانب اس نے یونانی فلسفہ سے بھی اکتساب کیا تاکہ اہل یونان کو بھی اپنا پیرو بنا سکے اور بہت سی باتیں بت پرستی پر مبنی رسوم و رواج سے بھی لیں تاکہ اسے بت پرستوں کے درمیان بھی قبول عام حاصل ہو۔ اس طرح اس نے مسیحیت کو ایک عالمی مذہب کی حیثیت سے پیش کیا۔ حالانکہ حضرت عیسیٰؑ نے صراحت فرمائی تھی کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے ہیں[۵]

۱؎ عہد نامہ جدید کے مختلف رسالوں میں اس کی صراحت موجود ہے مثلاً دیکھئے گلتیوں کے نام خط باب ۱ ۱۳
رسولوں کے اعمال باب ۸ ۳ باب ۹ ۱ باب ۲۶ ۹-۱۱

۲؎ دیکھئے رسولوں کے اعمال باب ۹ ۳-۹، باب ۲۶ ۱۲-۱۸

۳؎ احمد شلبی۔ المسیحیۃ، مکتبۃ النہضۃ المصریۃ قاہرہ ۱۹۶۰ء ص: ۷۴

۴؎ دیکھئے عہد نامہ جدید پطرس کے نام خط باب ۱ ۳، تیمتھیس کے نام پہلا خط باب ۱ ۱۱ باب ۶ ۲۰-۲۱۔

۵؎ دیکھئے انجیل متی باب ۱۵ ۲۴، مسیحیت کو عالمی مذہب بنانے کی بات پولوس کے مختلف رسائل سے ظاہر ہے

چونکہ پولوس کے خیالات حقیقی مسیحیت سے بالکل میل نہ کھاتے تھے اس لیے حضرت عیسیٰؑ کے سچے پیروکاروں (حواریوں) نے اس کی مخالفت کی اور اس کے خودساختہ عقائد و نظریات اور تعلیمات کا شدت سے انکار کیا[۱] لیکن وہ اس انحراف پر قابو نہ پا سکے اور پولوس نے جن گمراہیوں کا دروازہ کھولا تھا اسے بند نہ کیا جا سکا۔ پولوس کی خودساختہ مسیحیت کو خوب فروغ ملا۔ لیکن اس کا اس 'دین' سے دور کا بھی تعلق نہ تھا جس کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کی بعثت ہوئی تھی۔

نصاریٰ کی گمراہیاں

اس طرح حضرت عیسیٰؑ کی پیروی کا دم بھرنے والوں کی اکثریت بہت جلد اس جادۂ مستقیم سے ہٹ گئی جس کی طرف انھوں نے دعوت دی تھی۔ وہ دینی اعتقادات کے معاملے میں غلو و افراط کا شکار ہو گئے۔ انھوں نے بہت سے خودساختہ نظریات تراش لیے اور حضرت عیسیٰؑ کی حقیقی تعلیمات کو فراموش کر دیا۔ قرآن نے ان کی گمراہیوں پر بہت ایجاز کے ساتھ یوں تبصرہ کیا ہے:

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (المائدۃ: ۱۴)	اسی طرح ہم نے ان لوگوں سے بھی پختہ عہد لیا تھا جنھوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ مگر ان کو بھی جو سبق یاد کرایا گیا تھا اس کا ایک بڑا حصہ انھوں نے فراموش کر دیا۔

یہود کے بعد نصاریٰ کو بحیثیت ایک امت کے اس لیے برپا کیا گیا تھا کہ وہ عہدِ الٰہی

= ہے مثلاً رومیوں کے نام خط باب ۵، ۱۴-۱۶ یا باب ۲ ۲۵-۲۹، کرنتھیوں کے نام پہلا خط باب ۱۲ ۱۳ گلتیوں کے نام خط باب ۳ ۲۶-۲۹ وغیرہ۔

[۱] اس کا اشارہ پولوس کے مختلف رسائل سے ملتا ہے۔ ان رسائل میں اس نے اپنی مخالفت کرنے والوں کے بارے میں حقارت آمیز اور سخت الفاظ استعمال کیے ہیں اور ان کی بیان کردہ تعلیمات کو خرافات، کلام باطل اور سطحی مباحثات جیسے الفاظ سے تعبیر کیا ہے دیکھئے تیمتھیس کے نام پہلا خط باب ۱ ۳-۷، باب ۶ ۳-۵، تیمتھیس کے نام دوسرا خط باب ۲ ۱۳، فلپیوں کے نام خط باب ۲ ۱۹-۲۱، ططس کے نام خط باب ۱ ۹-۱۱

پر قائم رہیں گے۔ حضرت عیسیٰؑ کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل کریں گے اور ان گمراہیوں کا شکار نہیں ہوں گے جن میں یہود مبتلا ہو گئے تھے۔ لیکن ہدایت کی شاہراہ گم کر دینے کے بعد، یہود کی طرح وہ بھی ضلالت کی مختلف وادیوں میں بھٹک گئے۔ قرآن نے ان کے باطل اعتقادات اور تصورات پر زبردست تنقید کی ہے اور ان کی اخلاقی و معاشرتی برائیاں واضح کی ہیں۔

۱۔ شرک

حضرت عیسیٰؑ کی صحیح تعلیمات کو فراموش کر دینے کا سب سے سنگین نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ نصاریٰ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ انھوں نے خدائے واحد کے ساتھ الوہیت میں اس کی بعض مخلوقات کو بھی شریک کر لیا اور انھیں اللہ کے مساوی درجہ دے دیا پھر اس سلسلہ میں ان کے درمیان شدید اختلافات رونما ہونے لگے اور ان کی بنا پر مختلف فرقے وجود میں آ گئے۔

۱۔ عقیدۂ تثلیث

اس سلسلہ میں نصاریٰ میں رواج پانے والا ایک مشہور عقیدہ تثلیث کا ہے۔ اس کے مطابق دنیا پر 'تین اقانیم' کی حکمرانی ہے۔ ایک باپ، دوسرے بیٹا اور تیسرے روح القدس تینوں الٰہ ہیں اور کسی کی حیثیت دوسرے سے کم نہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسیحیوں کے اندر پہلے الوہیت مسیح کے عقیدہ نے جنم لیا جس کے نتیجے میں وہ وحدانیت سے ثنویت کی طرف مائل ہوئے۔ اس کے بعد الوہیت روح القدس کا عقیدہ شامل ہوا۔ اس طرح ان میں تثلیث وجود میں آئی۔ لیکن حقیقت اس کے برخلاف ہے اور وہ یہ کہ پہلے انھوں نے تثلیث کا عقیدہ بحیثیت مجموعی اختیار کیا۔ اس کے بعد اس کے ارکان تلاش کر کے تین کی تعداد پوری کی۔

قدیم اقوام مثلاً آشوری۔ بابلی۔ ایرانی۔ ہندو۔ چینی اور یونانی تعدد آلہہ کی قائل تھیں۔ سب سے پہلے بابلیوں نے (چار ہزار سال قبل مسیح میں) ثالوث کا نظریہ پیش کیا۔ انھوں نے معبودوں کے کئی گروپ بنا رکھے تھے۔ ہر گروپ تین معبودوں پر مشتمل تھا۔ جبکہ بعض قومیں مثلاً مصری اور اسرائیلی توحید پر قائم تھیں۔ بعض دوسری اقوام نے بین بین راستہ اپنایا۔ انھوں نے

"ایک میں تین اور تین میں ایک" کا نیا عقیدہ اختیار کیا۔ مثلاً ہندوؤں میں براہما، وشنو اور شیو کا عقیدہ ایسے ہی تصور پر مبنی تھا۔ اسی طرح بطلیموس اوّل کے دور میں اسکندریہ میں سرا پیوم کا عظیم معبد قائم ہوا تھا۔ اس میں تین معبودوں کی پوجا کی جاتی تھی۔ لوگ انھیں الگ الگ معبود نہیں سمجھتے تھے بلکہ ایک ہی الٰہ کی تین ہیئتیں قرار دیتے تھے۔[1]

مسیحیت میں تثلیث کا یہ عقیدہ ان ثقافتوں کے ذریعہ آیا جن سے وہ متاثر ہوئی تھی۔ پولوس یونانی فلسفہ سے واقفیت رکھتا تھا۔ اس نے یہ عقیدہ مسیحیت میں داخل کیا۔ اس عقیدہ کو عوام میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس لیے کہ وہ ان کے سابقہ عقیدوں سے جن سے وہ مانوس تھے، زیادہ مختلف نہیں تھا۔

تثلیث کا عقیدہ توریت میں پائے جانے والے عقیدۂ توحید سے متعارض تھا۔ اس لیے مسیحیوں کو ان دونوں میں تطبیق و موافقت پیدا کرنے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مثلاً انھوں نے کہا کہ ثالوث کی بات وحدانیت کے منافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ باپ، بیٹا اور روح القدس تینوں کا ایک ہی جوہر ہے۔ تینوں الگ الگ ہستیاں نہیں بلکہ واحد ازلی ہستی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ثالوث میں وحدانیت ہے اور وحدانیت میں ثالوث۔ عقیدۂ تثلیث کے لیے انھوں نے یہ اور اس طرح کی دیگر بہت سی دور دراز فلسفیانہ تاویلات کیں مگر وہ کسی طرح عقل سے میل نہیں کھاتیں۔ اسی لیے بہت سے مسیحی مفکرین کو کہنا پڑا کہ یہ مسائل اعتقاد سے تعلق رکھتے ہیں فہم سے نہیں۔"[2]

قرآن کریم نے اس عقیدہ کی سختی سے تردید کی ہے اور اسے کفر قرار دیا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ	یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے
اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ	کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے۔ حالانکہ
إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ (المائدۃ: ۷۳)	ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔

دوسری جگہ ہے:

وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا	اور نہ کہو کہ "تین" ہیں۔ باز آجاؤ۔ یہ تمہارے

---

[1] المسیحیۃ ص ۷۸-۷۹

[2] ڈاکٹر احمد شلبی نے اس عقیدہ کی تشریح کے سلسلہ میں چند مسیحی مفکرین کے اقوال نقل کیے ہیں۔ دیکھئے المسیحیۃ ص ۸۱-۸۵

لَكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ (النساء: ۱۷۱) ہی لیے بہتر ہے۔ اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔

ب۔ ابنیت مسیح

مسیحیت کا ایک بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔ انھوں نے زمین پر اتر کر اپنی جان کی قربانی پیش کر کے انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا ہے۔ یہ عقیدہ مسیحیت میں سب سے پہلے پولوس داخل کیا۔ اس نے لوگوں کو تعلیم دی کہ حضرت عیسیٰؑ نہ صرف مسیح موعود ہیں بلکہ "ابن اللہ" ہیں۔

عہدنامہ جدید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی کثرت سے اپنے لیے "خدا کا بیٹا" اور اللہ تعالیٰ کے لیے "باپ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ عیسائیوں نے اسے حقیقی معنی میں لے کر حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا، بنا لیا۔ حالانکہ ان اقوال کو لفظی مفہوم میں لینا درست نہ تھا۔ یہ ایک تمثیلی اور کنایاتی انداز بیان تھا۔ بائبل میں متعدد انبیاء اور دیگر لوگوں کو "خداوند خدا کا بیٹا" کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے[1]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کا استعمال بائبل میں محض شفقت و محبت اور تقرب خداوندی کے اظہار کے لیے کیا گیا ہے۔

قرآن کریم نے عیسائیوں کے اس عقیدہ کا تذکرہ کیا ہے۔

وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ (التوبۃ: ۳۰) — اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

ساتھ ہی اس نے یہ عقیدہ رکھنے والوں پر شدید تنقید کی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اللہ تو کسی کے بیٹا ہونے کا دعویٰ کرنا بڑی بے ہودہ بات ہے۔ اس لیے کہ اس کی ذات اس سے منزہ ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا — وہ کہتے ہیں کہ رحمان نے کسی کو بیٹا بنایا ہے۔
لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۔ تَكَادُ — سخت بے ہودہ بات ہے جو تم لوگ
السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ — گھڑ لائے ہو۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ
وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ — پڑیں۔ زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر جائیں۔
هَدًّا ۔ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدًا — اس بات پر کہ لوگوں نے رحمان کے لیے

---

[1] دیکھیے خروج ب ۲۲، سموئیل دوم ب ۱۴، تواریخ اول ب ۲۲، ۱۰، زبور ب ۲، یرمیاہ ب ۳۱، ۹ متی ب ۹، رومیوں کے نام خط ب ۱۴۔

وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ (مریم: ۸۸-۹۳)[1]	اولاد ہونے کا دعویٰ کیا۔ رحمان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ زمین اور آسمانوں کے اندر جو بھی ہیں سب اس کے حضور بندوں کی حیثیت سے پیش ہونے والے ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ کے 'خدا کا بیٹا' ہونے کی ایک دلیل عیسائی یہ دیتے ہیں کہ ان کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اگر یہ کوئی دلیل ہے تو اس خصوصیت کا استحقاق حضرت عیسیٰؑ سے بڑھ کر حضرت آدم کو حاصل ہے کیونکہ ان کی پیدائش تو بغیر ماں باپ کے ہوئی تھی:

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ، ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (آل عمران: ۵۹)	اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے کہ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور حکم دیا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔

ج۔ الوہیت مسیح

حضرت عیسیٰؑ کو "ابن اللہ" قرار دینے کے بعد ایک قدم آگے بڑھ کر انھیں 'الٰہ' بھی بنا لیا گیا۔ یہ بحث اس سے پہلے گزر چکی ہے کہ مسیحیوں نے دیگر ثقافتوں سے تأثر کے نتیجے میں تثلیث کا عقیدہ اختیار کیا۔ پھر اس کے ارکان کی تلاش ہوئی تو حضرت عیسیٰؑ کی شخصیت انھیں بڑی موزوں نظر آئی۔ چنانچہ انھیں 'اقانیم ثلاثہ' کا دوسرا رکن بنا لیا اور 'الٰہ' قرار دے بیٹھے۔ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی میں اور ان کے بعد ایک عرصے تک ایسے لوگ بڑی تعداد میں تھے جو انھیں محض اللہ کا بندہ اور رسول سمجھتے تھے۔ مگر عیسائیت کی تاریخ گواہ ہے کہ ان لوگوں کی زبان بند کرنے اور الوہیت مسیح کو عیسائیت کے بنیادی عقائد کا جزو قرار دینے کے لیے طرح طرح کے حربے اپنائے اور انتہائی گھناؤنے مظالم روا رکھے گئے۔ ۳۲۵ء میں شہنشاہ روم قسطنطین نے ایک کونسل بلائی جو نیقیہ کونسل کے نام سے معروف ہے تاکہ مسیح کی

---

[1] اس مضمون کی مزید آیات دیکھئے البقرہ ۱۱۶-، النساء: ۱۷۱-۱۷۲، الانعام: ۱۰۰-۱۰۲، یونس: ۶۸، کہف: ۴-۵، مریم-۳۵، المومنون-۹۱ وغیرہ۔

شخصیت کے بارے میں پائے جانے والے اختلافات کو ختم کیا جاسکے اور کسی ایک نظریہ پر اتفاق کیا جاسکے۔ اس کونسل میں شرکت کرنے والے پادریوں کی تعداد دو ہزار اڑتالیس (۲۰۴۸) تھی۔ اس موقع پر اریوس نامی ایک مصری مسیحی عالم نے ببانگ دہل اعلان کیا کہ اللہ صرف ایک ہے اور حضرت عیسیٰؑ محض انسان تھے۔ اسکندریہ اور روم کے پادریوں نے اس کی مخالفت کی۔ بالآخر حاضرین کے درمیان شدید اختلاف ہوا اور کوئی متفقہ قرارداد نہ منظور کی جاسکی۔ بالآخر شہنشاہ روم نے یہ طے کیا کہ وہ بزور قوت اس قضیہ کا فیصلہ کردے گا۔ اس نے بہت سے توحید پرست سرکردہ عالموں کو جلاوطن کردیا۔ اریوس اور اس کے ساتھ بعض بڑے مسیحی عالم قتل کردئے گئے۔ اس کے بعد تثلیث اور الوہیت مسیح کے قائلین جن کی تعداد محض تین سو اٹھارہ (۳۱۸) تھی، اکٹھا ہوئے اور انھوں نے اپنے موافق قرارداد منظور کرلی جس وقت یہ قرارداد لکھی جارہی تھی اس کی عبارت پر اکثر شرکاء نے اعتراض کیا مگر پھر وہ اس خوف سے خاموش ہوگئے کہ کہیں ان کا بھی حشر ویسا ہی نہ ہو جیسا اریوس اور اس کے ساتھیوں کا ہوا اور خاموشی سے انھوں نے اس قرارداد پر دستخط کردئے[1]

پھر اس قرارداد کو بزور قوت نافذ کیا گیا۔ اس کے خلاف کوئی عقیدہ رکھنا حرام قرار پایا اور وہ تمام تحریریں نذر آتش کردی گئیں جن میں اس سے مختلف نقطۂ نظر پیش کیا گیا تھا اور جو لوگ توحید کا عقیدہ رکھتے تھے انھیں ان کے عہدوں سے ہٹادیا گیا اور ان پر سخت مظالم ڈھائے گئے۔ اس طرح الوہیت مسیح کو "متفقہ طور پر" مسیحی عقائد میں شامل کرلیا گیا۔

قرآن کریم نے الوہیت مسیح کا عقیدہ رکھنے والوں کی تکفیر کرتے ہوئے ایسا کرنے کو شرک قرار دیا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ	یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا کہ
هُوَ الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ	اللہ مسیح بن مریم ہی ہے۔ حالانکہ مسیح نے
الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا	کہا تھا کہ "اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی
اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُ مَن	کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔
يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ	جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرایا۔

---

[1] السید عبدالاحد داؤد۔ الانجیل والصلیب ص: ۲۰-۲۱، محمد ابوزہرۃ۔ محاضرات فی النصرانیہ: ص ۱۲۶ وما بعد۔

عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ (المائدۃ: ۷۲)

اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

دوسری جگہ قرآن نے اس عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ آسمان و زمین کی تمام چیزوں پر صرف خدائے واحد کی حکمرانی ہے۔ اس کی قدرت کے آگے مسیح، ان کی ماں اور روئے زمین کے تمام باشندے بے بس ہیں:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (المائدۃ: ۱۷)[1]

یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا کہ مسیح بن مریم ہی خدا ہے۔ اے نبی ان سے کہو کہ اگر خدا مسیح بن مریم اور اس کی ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ اس کو اس ارادے سے باز رکھ سکے؟ اللہ تو زمین اور آسمانوں کا اور ان سب چیزوں کا مالک ہے جو زمین اور آسمانوں کے درمیان پائی جاتی ہیں۔ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے۔

د۔ الوہیت روح القدس

روح القدس کی الوہیت کا عقیدہ بہت بعد میں مسیحی عقائد کا جز بنا۔ نیقیہ کونسل (۳۲۵ء) میں صرف الوہیت مسیح کے بارے میں قطعی بات کہی گئی تھی۔ روح القدس کے بارے میں کوئی بھی عقیدہ رکھنے کی آزادی دی گئی تھی۔ اس کے نتیجے میں دو مختلف عقائد وجود میں آئے۔ ایک عقیدے کے مطابق دنیا پر تین قوتوں کی حکمرانی ہے۔ مکوّن اوّل، عقل

---

[1] قرآن نے حضرت عیسیٰؑ کے "اللہ کا بندہ اور رسول" ہونے پر بہت زور دیا ہے۔ دیکھئے النساء: ۱۷۲، المائدہ۔ ۷۵، الزخرف۔ ۵۹۔

(ابن) اور نفس عامۃ (روح القدس) اس کے برخلاف بعض پادریوں جن میں سرفہرست مقدونیوس تھا۔ کا عقیدہ یہ تھا کہ روح القدس الٰہ نہیں ہے بلکہ مخلوق ہے۔ اس اختلاف کو حل کرنے کے لیے یا بالفاظ دیگر روح القدس کی الوہیت کا اعلان کرنے کے لیے ۳۸۱ء میں قسطنطنیہ کونسل منعقد ہوئی۔ اس میں ڈیڑھ سو (۱۵۰) پادریوں نے حصہ لیا۔ اس طرح روح القدس کی الوہیت کا اعلان ہوجانے کے بعد اس کی مخالفت حرام قرار پائی جن لوگوں نے اس عقیدہ کی مخالفت کی انھیں تمام عہدوں سے برطرف کر دیا گیا۔ ان پر لعنت بھیجی گئی اور انھیں اذیتیں دی گئیں[1]

قرآن نے اس عقیدہ کو بھی توحید کے منافی قرار دیا ہے اور اس سے اجتناب میں انسانوں کی بھلائی قرار دی ہے۔ کہتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا	اور نہ کہو کہ "تین ہیں"۔ باز آجاؤ یہ تمہارے
خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ	لیے ہی بہتر ہے۔ اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے۔

(النساء: ۱۷۱)

۴۔ الوہیت مریم

عیسائیوں کے بعض فرقے حضرت مریم کو 'خدا کی ماں' کہتے تھے اور انھیں لائق پرستش جانتے تھے۔ ان میں سے ماروئی یا مریمی فرقہ یہاں تک بڑھا کہ اس نے باپ، بیٹے اور روح القدس کی جگہ باپ، بیٹے اور بیٹے کی ماں کو مانا۔ عرب میں عیسائیوں کا ایک فرقہ تھا جو مریم کو خدا سمجھ کر پوجتا تھا۔ اسی طرح ان میں بریرانی نامی ایک فرقہ تھا جو مسیح اور مریم دونوں کو خدا سمجھتا تھا[2]

قرآن نے اس عقیدہ کی تردید کی اور بتایا کہ حضرت عیسیٰؑ اور ان کی ماں دونوں انسان تھے۔ انھیں الوہیت میں شریک قرار دینا غلو ہے۔

---

[1] ہشام احمد عبدالحی حقیقۃ النصرانیۃ۔ مطبعۃ الفیصل کویت۔ طبع اول ۱۹۹۵ء ص: ۳۳-۳۴

[2] سید سلیمان ندوی۔ ارض القرآن۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ طبع پنجم ۱۹۵۶ء، دوم ص: ۱۹۱ بحوالہ ڈریر محرکہ مذہب وسائنس، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ابن حزم۔ الفصل فی الملل والنحل۔

مَا الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ، كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ (المائدۃ: ۷۵)

مسیح بن مریم اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول تھا اس سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے۔ اس کی ماں ایک راست باز عورت تھی اور وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔

قرآن کے مطابق قیامت میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو۔ اس موقع پر حضرت عیسیٰؑ سختی سے اس کی تردید فرمائیں گے:

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ. (المائدۃ - ۱۱۶)

غرض جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰؑ بن مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی خدا بنا لو۔ تو وہ جواب میں عرض کرے گا کہ سبحان اللہ میرا یہ کام نہ تھا کہ وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے حق نہ تھا۔

۲۔ نسلی احساس برتری

مسیحیوں کا نسلی رشتہ بنی اسرائیل سے ملتا تھا۔ اصلاً وہ یہودی تھے جو حضرت عیسیٰ کی دعوت پر ایمان لے آئے تھے۔ چنانچہ قومی اور نسلی غرور اور احساس برتری جو یہود میں بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا وہ ان میں بھی موجود تھا۔ یہود کی طرح وہ بھی دعویٰ کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے چہیتے ہیں۔ اس کی بارگاہ میں انھیں جو تقرب حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں۔ قرآن نے ان کے اس دعوی کو نقل کر کے پرزور الفاظ میں اس کی تردید کی ہے اور صراحت کی ہے کہ اللہ کی نظر میں اس کے تمام بندے برابر ہیں۔ اس کی بارگاہ میں اسی کو تقرب حاصل ہوگا جو اس کی مرضی کے مطابق کام کرے گا۔ لیکن جو اس کی نافرمانی کرے گا اور گناہوں کا ارتکاب کرے گا وہ اس کی سزا سے بچ نہیں سکتا:

قَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ

یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے

اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ۚ قُلْ فَلِمَ	بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں۔ ان سے پوچھو،
يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ	پھر وہ تمہارے گناہوں پر تمہیں سزا کیوں
بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ	دیتا ہے؟ درحقیقت تم بھی ویسے ہی
يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ	انسان ہو جیسے اور انسان خدا نے پیدا
(المائدۃ: ۱۸)	کیے ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے معاف کرتا
	ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے۔

۳۔ غلط تصوراتِ دین

اسی نسلی احساس برتری پر مبنی کچھ غلط دینی تصورات یہود کی طرح نصاریٰ نے بھی قائم کر لیے تھے اور ان سے چمٹے ہوئے تھے۔ حالانکہ وہ بالکل بے اصل اور حقیقت کے برخلاف تھے۔ مثلاً وہ کہتے تھے کہ ہدایت یافتہ ہونے کے لیے عیسائیت کو قبول کرنا ضروری ہے۔ جو شخص عیسائیت کے بنیادی عقائد کو نہیں مانتا وہ گمراہ ہے۔ اس کے جواب میں قرآن نے واضح کیا کہ ہدایت درحقیقت ملت ابراہیمی کی پیروی کرنے میں ہے۔ حضرت ابراہیم توحید پرست تھے۔ اس لیے جو لوگ شرک میں مبتلا ہیں وہ ان کے پیرو نہیں ہو سکتے۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى	یہودی کہتے ہیں یہودی ہو تو راہِ راست
تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ	پاؤ گے۔ عیسائی کہتے ہیں عیسائی ہو تو ہدایت
حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔	ملے گی۔ ان سے کہو نہیں بلکہ ابراہیمؑ کی ملت کی پیروی
(البقرۃ: ۱۳۵)	کرو جو اللہ کی طرف یکسو تھا اور مشرکین میں سے نہ تھا۔

یہود کی طرح نصاریٰ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا جدِ امجد اور پیشوا سمجھتے تھے۔ قرآن نے نصاریٰ کے مذکورہ تصورِ ہدایت پر بڑے تیکھے انداز میں تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہدایت یافتہ ہونے کے لیے نصرانیت (یا یہودیت) کو قبول کرنا ضروری ہے تو کیا حضرت ابراہیم اور ان کی آل اولاد بھی نصرانی (یا یہودی) تھی؟ یا وہ لوگ ہدایت یافتہ نہیں تھے؟

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ	یا پھر تمہارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ
وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ	اسحاق، یعقوب اور اولادِ یعقوب سب

كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ قُلْ أَأَنتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ ۗ (البقرۃ: ۱۴۰)

کے سب یہودی تھے یا نصرانی تھے؟ کہو تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟

اسی احساس برتری کی بنا پر، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت پیش کی تو یہود کی طرح نصاریٰ کی اکثریت نے بھی اسے قبول نہ کیا اور بجائے اس کے کہ وہ حق کی پکار پر دیوانہ وار لبیک کہیں انھوں نے اپنے خود ساختہ مذہب کو برتر جانا اور اسی کو قابل اتباع سمجھا۔ قرآن ان کی اس خام خیالی کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہدایت یہودیت یا نصرانیت کے اتباع میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلنے میں ہے۔

وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ (البقرۃ: ۱۲۰)

یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔ صاف کہدو کہ راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے۔

عیسائیوں نے بھی یہودیوں کی طرح اپنے بارے میں یہ تصور قائم کر رکھا تھا کہ وہی ہدایت یافتہ ہیں اس لیے جنت کے صرف وہی مستحق ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگ چونکہ گمراہ ہیں اس لیے جنت میں ان کا داخلہ نہ ہوگا۔ قرآن نے صراحت کی کہ یہ ان کی محض خام خیالی ہے۔ جنت کے مستحق وہ تمام لوگ ہیں جنھوں نے اللہ کی اطاعت میں زندگی گزاری اور نیک روش اختیار کی:

وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (البقرۃ: ۱۱۱-۱۱۲)

ان کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو یا (عیسائیوں کے خیال کے مطابق) عیسائی نہ ہو۔ یہ ان کی تمنائیں ہیں۔ ان سے کہو اپنی دلیل پیش کرو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ (دراصل نہ تمہاری کچھ خصوصیت ہے نہ کسی اور کی) حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک روش

پر چلے۔ اس کے لیے اس کے رب
کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسے لوگوں
کے لیے کسی خوف یا رنج کا کوئی موقع نہیں۔

۴۔ غلو

حضرت عیسیٰؑ کی حقیقی تعلیمات سے ہٹ جانے کے بعد مسیحی جن بے اعتدالیوں کا شکار ہوئے اور جن گمراہیوں میں پڑے ان کا خلاصہ اگر ہم ایک لفظ میں بیان کرنا چاہیں تو وہ ہے "غلو"۔ انھوں نے الوہیت کے معاملہ میں غلو سے کام لیا اور "اقانیم ثلاثہ" کا عقیدہ قائم کرلیا۔ پھر اس صریح غلط اور غیر معقول عقیدہ کو درست بنانے اور اسے سلجھانے کے لیے انھوں نے جتنی دور از کار تاویلات کیں اتنا ہی مزید الجھتے چلے گئے انھوں نے اپنی حیثیت اور مقام و مرتبہ کے بارے میں غلو سے کام لیا اور ہدایت اور جنت کے اجارہ دار بن بیٹھے۔ انھوں نے اپنے علماء اور راہبوں کے مقام و مرتبہ کے سلسلہ میں غلو سے کام لیا اور انھیں خدا بنا لیا۔ قرآن میں ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ، وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا[۲۱] (التوبہ: ۳۱)

انھوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اور اسی طرح مسیح بن مریم کو بھی۔ حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔

اس آیت کی تشریح حضرت عدی بن حاتمؓ کی ایک روایت سے ہوتی ہے۔ وہ اپنی قوم کے سردار تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں انھوں نے عیسائیت اختیار کرلی تھی۔ اسلام قبول کرنے کی غرض سے وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپؐ کی زبان پر یہی آیت مبارکہ تھی۔ اسے سن کر حضرت عدی نے عرض کیا: عیسائی اپنے علماء (راہبوں) کی عبادت تو نہیں کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا ایسا نہیں ہوتا کہ ان کے علماء اگر کسی حلال چیز کو حرام کردیں تو اسے حرام مان لیتے ہیں اور کسی حرام چیز کو حلال کردیں تو اسے حلال سمجھنے لگتے ہیں؟ یہی ان

کی عبادت ہے۔"[1]

اسی بنا پر انھیں دین میں غلو سے کام لینے سے منع کیا گیا اور حق بات کہنے کی تلقین کی گئی:

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا	اے اہل کتاب۔ اپنے دین میں غلو نہ
فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی	کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی
اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ (النساء: ۱۷۱)	بات منسوب نہ کرو۔

۵۔ تحریف کتاب

اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی تعلیمات اور احکام میں تحریف کرنے کے مجرم یہود کی طرح نصاریٰ بھی تھے۔ انھوں نے اپنے خود ساختہ معتقدات کو ثابت کرنے کے لیے اللہ کی کتاب میں تحریف کی۔ کچھ تعلیمات اور احکام کو چھپا لیا۔ کچھ کو نکال باہر کیا اور کچھ کی من مانی تاویلات کریں۔ مثلاً انجیل کے مخصوص انداز بیان میں اللہ تعالیٰ کے لیے "باپ" کا لفظ استعمال ہوا تھا اور اس سے مراد محض شفقت و محبت کا اظہار تھا۔ مگر اسے انھوں نے حقیقی معنی میں لے کر حضرت عیسیٰ کو "اللہ کا بیٹا" بنا لیا۔ ختنہ بطور عہد الٰہی کے نشان کے مشروع ہوا تھا اور اس سلسلہ میں توریت میں صریح ہدایات موجود تھیں۔ مگر اسے انھوں نے غیر ضروری قرار دے دیا۔ حضرت عیسیٰؑ نے صریح الفاظ میں اپنے بعد آنے والے ایک نبی کی پیشین گوئی کی تھی مگر اس پیشین گوئی کو انھوں نے دیدہ و دانستہ چھپا لیا[2]۔ قرآن کریم نے نصاریٰ کے اس جرم کو طشت از بام کیا ہے اور ان کو آگاہ کیا ہے کہ آخری نبی کی بعثت سے ان کی بہت سی تحریفات سے پردہ اٹھ گیا ہے:

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ	اے اہل کتاب۔ ہمارا رسول تمہارے پاس

---

[1] جامع ترمذی ابواب التفسیر، تفسیر سورۂ توبہ

[2] انجیل برناباس عیسائیوں کی تحریفات سے بڑی حد تک محفوظ رہی ہے۔ اس میں صریح الفاظ میں خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ دیکھئے برناباس کی انجیل۔ اردو ترجمہ آسی ضیائی مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی طبع اول ۱۹۸۲ء صفحات: ۴۲، ۷۷، ۷۹، ۸۱، ۱۱۲، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۷۵ وغیرہ

رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (المائدۃ: ۱۵)

آگیا ہے جو کتاب الٰہی کی بہت سی ان باتوں کو تمہارے سامنے کھول رہا ہے جن پر تم پردہ ڈالا کرتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر بھی کر جاتا ہے۔

۶۔ رہبانیت

نصاریٰ دین کے معاملے میں جس "غلو" کا شکار ہوئے اس کا ایک مظہر ان کی رہبانیت بھی ہے۔ ابتدا میں اس کا محرک یہ تھا کہ وہ ہمہ تن متوجہ ہو کر اللہ عزوجل کی عبادت کر سکیں اور اس طرح اس کی رضا و خوشنودی سے بہرہ ور ہو سکیں۔ لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انھوں نے جو طریقے اپنائے وہ بڑی ہی بے اعتدالیوں پر مبنی تھے۔ انھوں نے دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے یکسر تعلق منقطع کر لیا اور جنگلوں، بیابانوں، پہاڑوں، جانوروں کے بھٹوں، خشک کنوؤں، پرانی قبروں یا دیگر ویران جگہوں کو اپنا مسکن بنایا۔ نفس کشی اور جسمانی ایذا رسانی پسندیدہ قرار پائی۔ چنانچہ اس کے لیے انھوں نے سخت سے سخت ریاضتیں کیں۔ مشہور راہبوں کے تذکرہ میں اس قسم کے بہت سے واقعات ملتے ہیں کہ ان میں سے کوئی سالوں تک عبادت میں کھڑا رہتا، نہ بیٹھتا نہ لیٹتا، کوئی ایک ایک ماہ تک فاقہ کرتا۔ کوئی مدتوں خاموش رہتا، کوئی کسی درخت یا چٹان سے اپنے آپ کو باندھ لیتا اور ایک طویل عرصہ اسی حال میں گزار دیتا۔ شاید جسمانی اذیت پسندی ہی کا جذبہ تھا کہ انھوں نے طہارت و نظافت کو ناپسندیدہ اور خدا پرستی کے خلاف سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ وہ صفائی ستھرائی سے حتی الامکان پرہیز کرتے اور گندے رہنے کو ترجیح دیتے۔ بعض راہب اور راہبائیں ایسی بھی گزری ہیں جنھوں نے عمر بھر پانی کو ہاتھ نہ لگایا۔

یہی نہیں بلکہ روحانی ترقی اور کمال حاصل کرنے کے لیے تمام رشتوں اور تعلقات سے یکسر کنارہ کشی اختیار کر لینا راہب کے لیے ناگزیر قرار پایا۔ ماں باپ بھائی بہنوں، اولاد اور دوسرے رشتہ داروں کی محبت، رہبانیت کے نقطۂ نظر سے گناہ تھی۔ اللہ کی محبت سے بہرہ ور ہونے کے لیے انسانی محبت کی یہ تمام زنجیریں کاٹ دینی ضروری تھیں۔ مزید برآں انھوں نے ازدواجی رشتہ پر بھی تیشہ چلا دیا۔ ان کے نزدیک روحانی زندگی کی معراج

یہ قرار پائی کہ انسان جنسی تعلق سے قطعی اجتناب کرے۔ وہ مجرّد رہے اور اگر شادی کر چکا ہے تو بیوی سے یکسر تعلق منقطع کر لے۔ اسی طرح عورت کے لیے بھی یہ ضروری سمجھا گیا کہ وہ کنواری رہے اور اگر وہ شادی کر چکی ہے تو شوہر سے الگ ہو جائے۔

رشتوں کی اس پامالی نے قرونِ وسطیٰ میں ایسی دردناک صورت حال پیدا کر دی تھی جو بیان سے باہر ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان نے جب بھی فطرت سے بغاوت کی ہے اسے منہ کی کھانی پڑی ہے۔ یہی حال رہبانیت کے علمبرداروں کا بھی ہوا۔ فطرت سے بغاوت کرنے کے نتیجے میں وہ بداخلاقی اور فحاشی کے عمیق گڈھے میں جا گرے۔ بدچلنی عام ہوگئی۔ محرمات تک سے ناجائز تعلقات اور خلافِ وضع فطری جرائم سرزد ہونے لگے اور خانقاہیں فحاشی کے اڈے بن گئے[1]

دین کے معاملے میں جس انتہا پسندی کا نصاریٰ نے مظاہرہ کیا اور جس قدر غلو میں وہ مبتلا ہوئے اس کا یہ انجام فطری تھا۔ قرآن کریم نے بہت ایجاز اور اعجاز کے ساتھ اس پر یوں تبصرہ کیا ہے:

وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (الحدید: ۲۷)

اور رہبانیت انھوں نے خود ایجاد کر لی ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔ مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انھوں نے آپ ہی یہ بدعت نکالی اور پھر اس کی پابندی کرنے کا جو حق تھا اسے ادا نہ کیا۔

۷۔ حرام خوری

ایک طرف راہبوں کے فقر و درویشی اور دنیا بے زاری کا یہ حال تھا۔ دوسری طرف ان میں مال و دولت کی حرص اور دنیا پرستی بھی پیدا ہوگئی تھی۔ مسیحی عوام کو یہ باور کرایا گیا کہ

---

[1] رہبانیت کے اسباب، مآخذ اور مظاہر پر مولانا مودودیؒ نے تفصیل سے بحث کی ہے۔ دیکھئے یہودیت و نصرانیت، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی طبع اول ۱۹۸۳ء ص: ۱۰۴ - ۱۱۳

گناہوں کی بخشش خانقاہوں میں نذر و نیاز چڑھانے یا کنیسوں کو بھینٹ دینے سے ہی ہو سکتی ہے۔ اس طرح راہبوں کے پاس مال و دولت کے ڈھیر لگ گئے اور وہ پُرتعیش زندگی گذارنے لگے۔ بعض مسیحی علماء اور راہبوں کے بارے میں آتا ہے کہ ان کا رہن سہن بادشاہوں کی طرح کا تھا۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ راہبوں میں کس حد تک دنیا داری آگئی تھی۔ وہ اصفہان کے رہنے والے ایک مجوسی تھے۔ حق کی تلاش میں شام پہنچے اور وہاں کے گرجے کے بڑے پادری کی خدمت میں حاضر ہو کر عیسائیت قبول کرلی اور اسی کی خدمت میں رہنے لگے۔ اس پادری کے بارے میں وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ عوام کو صدقہ و خیرات کا حکم دیتا اور ثواب کی خوشخبری سناتا جب لوگ اسے مال دیتے تو سب اپنے لیے جمع کرلیتا۔ فقراء و مساکین کو کچھ نہ دیتا۔ اس طرح اس کے پاس خاصی دولت جمع ہوگئی تھی۔ اس کے مرنے کے بعد لوگ اس کی تدفین کے لیے جمع ہوئے تو میں نے ان سے اس کا حال بیان کیا۔ تلاش کرنے پر سونے چاندی سے بھرے سات مٹکے برآمد ہوئے۔"[1]

خانقاہوں اور کنیسوں میں مال و دولت کی یہ ریل پیل ساتویں صدی عیسوی تک اپنے عروج کو پہنچ گئی تھی اور راہب حلال و حرام سے بے پرواہ ہو کر دنیا داری میں غرق ہو چکے تھے۔ قرآن نے ان کے اس رویہ پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (التوبۃ : ۳۴)	ان اہل کتاب کے اکثر علماء اور درویشوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں۔

۸۔ باہمی اختلاف اور تفرقہ

ابتداء میں نصاریٰ کو یہود کی طرف سے شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت عیسیٰؑ یہود (بنی اسرائیل) کی اصلاح کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔ آپ نے انھیں ان کی گمراہیوں اور غلطیوں پر ٹوکا۔ ان کی سرزنش کی اور صحیح تعلیمات سے آگاہ کیا۔ اس پر وہ آپ کے

---

[1] سیرت ابن ہشام المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر ۱۹۳۷ء اول ص ۲۳۵

شکر گزار کیا ہوتے الٹے جان کے دشمن بن گئے اور اپنے گمان میں انھیں تختۂ دار پر چڑھا کر چھوڑا۔ آپ کے متبعین کو وہ "گمراہ بدعتی فرقہ" قرار دیتے تھے اور ان پر ظلم ڈھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ دوسری طرف نصاریٰ بھی یہود کو گمراہ کہتے تھے اور ان کی غلط کاریوں اور برائیوں پر شدید تنقیدیں کرتے رہتے تھے۔ قرآن نے ان کی ان باہمی آویزشوں کا یوں نقشہ کھینچا ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ	یہودی کہتے ہیں: عیسائیوں کے پاس
عَلَىٰ شَيْءٍ، وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ	کچھ نہیں۔ عیسائی کہتے ہیں: یہودیوں کے
لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ، وَهُمْ	پاس کچھ نہیں۔ حالانکہ دونوں ہی کتاب
يَتْلُونَ الْكِتَابَ (البقرہ: ۱۱۳)	پڑھتے ہیں۔

معاملہ یہیں تک نہ رکا۔ بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خود نصاریٰ میں بے شمار مذہبی اختلافات پیدا ہو گئے اور وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ ان میں ایک مختصر گروہ توحید پر قائم رہا جب کہ اکثریت شرک میں مبتلا ہو گئی اور اس نے 'اقانیم ثلاثہ' کا عقیدہ اپنا لیا۔ پھر ان میں شخصیتِ مسیح کے بارے میں اختلافات پیدا ہوئے۔ نسطوریوں کا عقیدہ یہ تھا کہ عیسیٰؑ بن مریم انسان تھے جو محبت کے ذریعہ باپ سے متحد ہو گئے۔ ان کو الٰہ یا ابن اللہ کہنا حقیقی معنوں میں نہیں ہے۔ جب کہ دیگر فرقے حقیقی معنی میں ان کی الوہیت کے قائل تھے۔ پھر جو لوگ ان کی الوہیت کے قائل ہوئے ان میں ان کی طبیعت کے بارے میں اختلاف ہو گیا۔ ملکانی فرقہ کا کہنا تھا کہ مسیح کی دو طبیعتیں ہیں ایک الٰہی اور دوسری انسانی۔ جب کہ یعقوبی فرقہ ان کی ایک طبیعت کا قائل تھا جس میں لاہوت اور ناسوت دونوں اکٹھا ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ ایک اقنوم ہیں جس میں الٰہی اور انسانی دونوں پہلو جمع ہیں۔ پھر اگر مسیح الٰہ ہیں تو کیا ان کا درجہ باپ کے برابر ہے یا اس سے کم تر۔ اس سلسلہ میں بھی اختلاف ہوا۔ کیتھولک فرقہ کے نزدیک باپ اور بیٹا دونوں کا درجہ الوہیت میں برابر ہے جبکہ آرتھوڈکس فرقہ باپ کو بیٹے سے افضل قرار دیتا ہے۔ روح القدس کے معاملہ میں بھی ان کے درمیان اختلاف ہوا۔ مقدونی فرقہ کے نزدیک وہ الٰہ نہیں بلکہ مخلوق ہے جب کہ دیگر فرقوں نے اس کی الوہیت کا عقیدہ رکھا۔ پھر ان لوگوں کے درمیان بھی اختلاف ہوا۔ بعض کے نزدیک وہ صرف باپ سے صادر ہوا ہے اور بعض کے نزدیک اس کا صدور

باپ اور بیٹے دونوں سے ہوا ہے[1] اس قسم کے ان کے درمیان بے شمار اختلافات رونما ہوئے جن کی بنا پر وہ بہت سے فرقوں میں بٹ گئے۔ چوتھی صدی عیسوی تک ۸۰ - ۹۰ فرقے وجود میں آچکے تھے۔ یہ فرقے ایک دوسرے کے خلاف سخت نفرت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے درمیان جنگ وجدال اور خوں ریزی تک کی نوبت آجاتی تھی۔

نصاریٰ کا انجام

جب نصاریٰ نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو توڑا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا اور مختلف قسم کی بداعتقادیوں، گمراہیوں اور بداعمالیوں کا شکار ہو گئے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نامقبول ٹھہرے۔ اس نے ان کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیا جس کے وہ مستحق تھے۔ وہ دنیا میں بھی مردود ہوئے اور آخرت میں بھی انھیں دردناک سزا کی وعید سنائی گئی۔

۱۔ مختلف فرقوں کا باہمی جنگ وجدال

نصاریٰ کو ان کے کیے کی پہلی سزا یہ ملی کہ ان میں بے شمار فرقے پیدا ہو گئے اور ان کے درمیان زبردست فرقہ وارانہ کشمکش برپا ہوئی۔ یہ کشمکش نظریاتی اختلافات سے آگے بڑھ کر باہم بغض ونفرت، جنگ وجدال اور کشت وخون تک جا پہنچی۔ قرآن نے نصاریٰ سے لیے گئے عہد کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی بدعہدی اور اس کے بھیانک انجام پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (المائدۃ: ۱۴)

مگر ان کو جو سبق یاد کرایا گیا تھا اس کا ایک بڑا حصہ انھوں نے فراموش کر دیا۔ آخر کار ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور آپس کے بغض وعناد کا بیج بو دیا۔

---

[1] دیکھئے المسیحیۃ ص ۱۱۵-۱۱۷، ۱۲۵

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عہد الٰہی کو فراموش کر دینے کے نتیجے میں ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض ڈال دیا۔ لفظ 'اغراء' کے معنی ہیں چپکانا اور چسپاں کرنا[1] یہاں اس کے استعمال میں بڑی بلاغت پائی جاتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی جانب سے بطور سزا ان کے درمیان باہمی بغض و عداوت اس طرح رچ بس گئی کہ ہزارہا کوششوں کے باوجود اس سے نجات حاصل کرنا ان کے بس میں نہ تھا۔ ان کا یہ انجام اگرچہ خود ان کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ تھا لیکن چونکہ اس کا سبب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت تھی اس لیے اس نے اسے اپنی طرف منسوب کیا۔

آیت میں "بَيْنَهُمُ" (ان کے درمیان) سے مراد کون لوگ ہیں؟ اس سلسلہ میں اصحاب تفسیر نے دو توجیہیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ کے درمیان بغض اور عداوت ڈال دی۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس سے مراد خود نصاریٰ کے مختلف فرقے ہیں۔ راہ حق سے بھٹک جانے کے بعد ان کے درمیان زبردست فرقہ وارانہ کشمکش برپا ہوئی[2] مذکورہ آیت کی جو توجیہ بھی قبول کی جائے نصاریٰ کی تاریخ پر حرف بحرف صادق آتی ہے۔

ابتدا میں نصاریٰ کو یہود کی طرف سے زبردست مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے انھیں "گمراہ بدعتی فرقہ" قرار دیا اور رومی حکمرانوں کو ان کے خلاف بھڑکایا پہلی صدی عیسوی میں سرکش حکمراں نیرون (۶۸ء) نے تو مظالم کی انتہا کر دی۔ انھیں بھوکے درندوں کے سامنے ڈال دیا جاتا جو ان کے جسموں کو چیرتے پھاڑتے۔ ان کے جسموں پر تارکول مل دیئے جاتے اور ان میں آگ لگا دی جاتی اس طرح ان کے جلتے ہوئے جسم بعض مذہبی تقریبات کے موقع پر مشعل کا کام دیتے۔ دوسری اور تیسری صدیوں میں بھی ظلم و ستم کا بازار گرم رہا۔ چوتھی صدی میں اس وقت حالات کچھ بدلے جب شہنشاہ قسطنطین نے

---

[1] راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن۔ المطبعۃ المیمنیۃ مصر، ص: ۳۶۶ مادۂ 'غری'، نیز تفسیر کبیر، امام رازی المطبعۃ العامرہ مصر ۳/۳۹۲۔ [2] تفسیر کبیر: ۳/۳۹۲، تفسیر طبری دار المعارف مصر ۶/۹۱-۹۲۔ امام طبری نے اگرچہ دونوں توجیہیں نقل کی ہیں لیکن ترجیح موخر الذکر توجیہ کو دی ہے۔

عام معافی کا اعلان کیا[1] اس کے بعد جب نصاریٰ کو طاقت حاصل ہوئی اور ان کا بڑا بھاری ہوا تو ٹھیک اسی انداز سے انھوں نے بھی اپنے دشمنوں سے بدلہ لیا۔ اس وقت وہ یہ بھول گئے کہ ان کے پیغمبر نے انھیں نرمی، محبت اور عفو و درگزر کی تعلیم دی تھی۔ چنانچہ مذہب کے نام پر انقلابی جمعیتیں قائم کی گئیں جن کا کام ملحدین کو اذیتیں دینا اور ان کا صفایا کرنا تھا۔

نصاریٰ کے یہ مظالم دوسرے مذاہب کے ماننے والوں یا ملحدوں کے ساتھ ہی نہ تھے بلکہ اپنے ہم مذہب لوگوں کے ساتھ بھی تھے۔ یہ طاقت ور مسیحیت پولوس کی مسیحیت تھی جس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے اصل دین سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس میں بہت سی نئی چیزیں، مثلاً الوہیت مسیح، تثلیث وغیرہ شامل کر لی گئی تھیں۔ چنانچہ جو نصاریٰ ان باتوں کے قائل نہ ہوتے انھیں بے دین اور سرکش قرار دے کر دردناک سزائیں دی جاتیں۔ چوتھی صدی میں اریوس (۳۳۶ء) نے الوہیت مسیح کی مخالفت کی تو اس کی تمام تحریریں نذر آتش کر دی گئیں۔ اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کے حامیوں کو ملازمتوں سے نکال کر جلاوطن کر دیا گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ اگر کسی کے پاس اس کی یا اس کے حامیوں کی کوئی تحریر مل گئی تو اسے پھانسی دے دی جائے گی۔ تیودوسیوس (۳۹۵ء) کے عہد میں پہلی مرتبہ محکمۂ تفتیش (INQUISITION) قائم ہوا۔ پھر بارہویں صدی میں اسے از سر نو منظم کیا گیا۔ اس کا کام یہ تھا کہ مسیحی عقائد کی مخالفت کرنے والوں کو تلاش کر کے انھیں سخت سزائیں دی جائیں۔ بعد کی صدیوں میں بے شمار لوگ اس ظالمانہ نظام کا شکار ہوئے۔ انھیں پھانسی دی گئی۔ زندہ جلایا گیا۔ اس لیے کہ چرچ کی نظر میں وہ بے دین تھے۔ بسا اوقات چرچ ایسی سزائیں تجویز کرتا تھا کہ آدمی تڑپ تڑپ کر مرے تاکہ اس سے دوسرے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ عبرت حاصل ہو۔ صرف اسپین میں محکمۂ تفتیش کے حکم سے اکتیس[31] ہزار لوگوں کو زندہ جلایا گیا اور تقریباً تین لاکھ لوگوں کو پھانسی کی اور دیگر سزائیں دی گئیں۔

جب پروٹسٹنٹ فرقہ ظاہر ہوا تو چرچ نے اس کے ماننے والوں پر بھی ایسے ہی مظالم ڈھائے اور ان کا خوب کشت و خون کیا۔ اس سلسلہ کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ ۲۴ اگست ۱۵۷۲ء کو کیتھولک فرقہ کے سربرآوردہ لوگوں نے پروٹسٹنٹ فرقہ کے نمائندوں

---

[1] محاضرات فی النصرانیۃ ص ۲۸ وما بعد، حقیقۃ النصرانیۃ ص: ۹-۱۰۔

کو پیرس میں دعوت دی کہ باہم بحث وگفتگو کے ذریعہ دونوں کے نقطۂ ہائے نظر میں کچھ قربت اور ہم آہنگی پیدا کی جاسکے۔ مگر رات میں جب وہ لوگ سو رہے تھے تو دھوکے سے انھیں قتل کر دیا گیا۔ صبح پیرس کی سڑکیں پروٹسٹنٹ فرقہ کے ان نمائندوں کے خون سے رنگین تھیں۔ دوسری طرف اس گھناؤنے عمل پر چارلس نہم کو پوپ اور کیتھولک حکمرانوں کی جانب سے خوب خوب مبارک باد ملی۔ دوسری طرف جب پروٹسٹنٹ فرقہ کو قوت واقتدار ملا تو انھوں نے بھی کیتھولک فرقہ والوں کے ساتھ ٹھیک ویسا ہی برتاؤ کیا جیسا ان کے ساتھ کیا گیا تھا[1]۔

ان مختلف مسیحی فرقوں کے درمیان باہمی مخاصمت اور آویزش اس لیے برپا ہوئی کہ ان کے دلوں میں نفسانی خواہشات نے گھر کر لیا تھا۔ ان میں سے ہر فرقہ نے اپنی خواہشات کو اصل دین قرار دے کر دوسروں کا زور قوت صفایا کرنے کی ٹھان لی تھی[2]۔

ب۔ آخرت میں سزا

نصاریٰ کی گمراہیوں پر اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا میں بدترین انجام سے دوچار کرنے کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی سزا کی وعید سنائی۔ فرمایا:

وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ (المائدۃ: ۱۴)	اور ضرور ایک وقت آئے گا جب اللہ انھیں بتائے گا کہ وہ دنیا میں کیا کرتے رہے ہیں۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: "نصاریٰ نے اللہ اور اس کے رسول (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) پر جھوٹ باندھا۔ اللہ عزوجل کی جانب بے سروپا باتیں منسوب کیں۔ اس کے لیے بیوی اور بیٹا فرض کیے۔ اس آیت میں ان کی انہی گمراہیوں پر انھیں دھمکی اور زبردست وعید سنائی گئی ہے"[3]

امام طبریؒ نے لکھا ہے کہ "اس آیت میں اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] نصاریٰ کے مختلف فرقوں کی باہمی رقابتوں اور عداوتوں کی تفصیل کے لیے دیکھئے۔ ڈاکٹر توفیق الطویل۔ قصة الاضطهاد الديني في المسيحية والاسلام۔ دار الفكر العربي اسكندريہ مصر ۱۹۴۷ء ص: ۱۷۔۲۰، ۴۹، ۵۰۔۶۲، ۶۳۔۸۶، ۱۰۸

[2] تفسیر طبری ۶/۹۱ روایت ابراہیم نخعیؒ

[3] تفسیر ابن کثیر۔ المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر ۱۹۳۷ء ۲/۳۳

کے لیے تسلی اور دلاسا موجود ہے کہ اے محمدیہ لوگ جو تم پر اور تمہارے اصحاب پر دست درازیاں کر رہے ہیں ان کے ساتھ عفو و درگزر سے کام لو۔ اللہ خود ان سے انتقام لے گا۔ یہ لوگ جو آج دنیا میں اس سے کیے ہوئے عہد کو پامال کر رہے ہیں اس کی کتاب میں تحریف سے کام لے رہے ہیں اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ انھیں قیامت میں سزا دے کر رہے گا۔"[1]

صالح نصاریٰ کا ذکرِ خیر

قرآن کریم نے جہاں ایک طرف نصاریٰ کی اکثریت کی اعتقادی گمراہیوں اور اخلاقی و معاشرتی برائیوں پر روشنی ڈالی ہے، ان کے باطل عقائد کی تردید کی ہے اور ان کی برائیوں پر ان کی مذمت کی ہے۔ وہیں دوسری طرف ان میں سے صالح عناصر کا باندازِ تحسین تذکرہ کیا ہے اور ان کے محاسن نمایاں کیے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس نے مخالف فرقوں کے تذکرہ میں حق و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے[2]۔ نصاریٰ میں سے جن لوگوں نے آخری نبی کی دعوت سن کر اس پر لبیک کہا تھا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے ان کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً	اور ایمان لانے والوں کے لیے دوستی
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا	میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنھوں
اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ	نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس
قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ	وجہ سے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور
لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوْا	تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور
مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى	ان میں غرورِ نفس نہیں ہے۔ جب وہ اس
اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ	کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترا ہے تو تم
مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ	دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان

---

[1] تفسیر طبری: ۶/۹۲ [2] قرآن میں مختلف مقامات پر صالح اہل کتاب کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔ اہل کتاب میں نصاریٰ بھی شامل ہیں۔ اس موضوع پر تفصیل کے لیے دیکھئے راقم کا مقالہ "صالح اہلِ کتاب کے اوصاف" شائع شدہ مجلہ تحقیقات اسلامی جلد ۱۲، شمارہ ۴ اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۹۵ء

رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (المائدۃ: ۸۲-۸۳)

کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں وہ بول اٹھتے ہیں کہ پروردگار ہم ایمان لائے ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔

دوسری جگہ ہے:

وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً (الحدید: ۲۷)

اور جن لوگوں نے اس کی (یعنی حضرت عیسیٰ ابن مریم کی) پیروی اختیار کی ان کے دلوں میں ہم نے ترس اور رحم ڈال دیا۔

قرآن میں تذکرۂ نصاریٰ کی حکمت

قرآن میں گزشتہ قوموں کے حالات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کی بداعتقادیوں گمراہیوں اور نافرمانیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اہل ایمان ان کے نقش قدم پر چلنے سے بچیں اور ان کے جیسے طور طریقے اختیار نہ کریں ورنہ وہ بھی انہی جیسے انجام سے دوچار ہوں گے۔ تذکرۂ نصاریٰ کی بھی یہی حکمت ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو اس پہلو کی طرف توجہ دینے اور ان کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کی تاکید کی ہے[1]

نصاریٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں غلو سے کام لیا اور انھیں 'ابن اللہ' بلکہ اس سے بڑھ کر 'الٰہ' بنا لیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو خبردار کیا کہ کہیں فرطِ عقیدت میں وہ آپؐ کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کر بیٹھیں۔ آپؐ نے فرمایا:

"میرے بارے میں غلو سے کام نہ لو جس طرح کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے بارے میں غلو کیا۔ میں تو صرف اس کا بندہ ہوں۔ مجھے صرف اللہ کا بندہ اور رسول کہو"[2]

نصاریٰ نے محض خوشنودیٔ رب کے مفروضے کے تحت اپنے اوپر بعض سختیاں عائد کر لی تھیں۔

---

[1] اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھئے راقم کا مقالہ 'اہل کتاب مسلمانوں کے لیے نمونۂ عبرت' شائع شدہ مجلہ تحقیقات اسلامی جلد ۱۵ شمارہ ۲-۳ اپریل-جون و جولائی-ستمبر ۹۶ء۔ [2] صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب واذکر فی الکتاب مریم۔

مثلاً بھوکے پیاسے رہتے، اور اپنے آپ کو جسمانی اذیتیں دیتے۔ اللہ کے رسولؐ نے اپنی امت کو متنبہ کیا کہ وہ دین کی سہولتوں سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے اوپر وہ بے جا پابندیاں عائد نہ کرلیں جن سے اللہ تعالیٰ نے انھیں آزاد رکھا ہے۔ فرمایا:

"اپنے آپ پر سختی نہ کرو ورنہ اسے تم پر مسلط کر دیا جائے گا۔ کچھ لوگوں نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس سختی کو ان کے اوپر مسلط کر دیا"[1]

ایک شخص نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ کھانے کی فلاں چیز میں ناپسند کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا:

"تمہارے دل میں کوئی ایسی بات نہ آنے پائے جس سے تمہارا عمل نصرانیت سے مشابہ ہو جائے"[2]

نصاریٰ اس خام خیالی میں مبتلا تھے کہ وہ اللہ کے چہیتے ہیں۔ اس لیے ان سے خواہ کتنے ہی گناہ سرزد ہو جائیں ان کی مغفرت ہو کر رہے گی اور بالآخر جنت ان کا ٹھکانہ ہوگی۔ ان کی تردید کرتے ہوئے کہا گیا کہ اللہ کی نظر میں تمام انسان اور تمام فرقے برابر ہیں۔ کوئی نصرانی ہو یا صاحب ایمان یا کسی دوسرے فرقے سے تعلق رکھتا ہو۔ آخرت میں اپنے رب کے یہاں اجر اور انعام سے صرف اسی صورت میں بہرہ ور ہو سکتا ہے جب اس کا ایمان درست ہو اور وہ نیک اعمال کرے (البقرۃ-۶۲)

اس طرح نصاریٰ کے تذکرہ میں مسلمانوں کے لیے درس عبرت ہے کہ وہ ان لغزشوں سے بچیں جن میں نصاریٰ مبتلا ہو گئے تھے اور ان معصیتوں سے خود کو محفوظ رکھیں جن کی وجہ سے وہ راندۂ درگاہ الٰہی قرار پائے۔

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الحسد

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الاطعمہ باب کراہیۃ التقذر للطعام

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

ڈاکٹر سید حسن الدین احمد

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ تم معروف کا حکم دیتے ہو اور منکر سے روکتے ہو (آل عمران ۱۱۰) اللہ تعالیٰ نے فلاح بھی انھیں لوگوں کے لیے رکھی ہے جو معروف کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں (آل عمران: ۱۰۴) اس مضمون میں اختصار کے ساتھ معروف و منکر کے مفہوم و معنی۔ ان کی اہمیت پر روشنی ڈالی جائے گی اور اس کی فرضیت اور طریق کار پر بھی بحث کی جائے گی۔

مذکورہ بالا آیات اس باب میں صریح ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت مسلمہ کا مقصد وجود ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معروف کیا ہے اور منکر کیا؟ معروف جن کا اسلام حکم دیتا ہے وہ نیکیاں ہیں جو ہر معاشرہ میں جانی پہچانی ہیں اس لیے معروف کہلاتی ہیں۔ مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن میں معروف کی یہی تشریح کی ہے۔ اس اصطلاح کی تفسیر مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں اس طرح کی ہے کہ وہ صحیح طریقہ کار جس سے بالعموم انسان واقف ہوتے ہیں جس کے متعلق ہر وہ شخص جس کا کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہ ہو بول اٹھے کہ بے شک حق و انصاف یہی ہے۔ اسی طرح مولانا مودودیؒ نے الجہاد فی الاسلام میں یہ بھی تصریح کی ہے کہ رواج عام کو بھی جس کے متعلق شریعت نے کوئی قاعدہ مقرر نہ کیا ہو معروف کہا جاتا ہے۔ چنانچہ معروف کی چند مثالیں یہ ہوں گی۔ ایمانداری، پاسداری، فرض شناسی۔ تعاون و ہمدردی، عدل و انصاف، حقوق کی ادائیگی وغیرہ۔

دوسری اصطلاح "منکر" ہے۔ یہ وہ ناپسندیدہ فعل ہے جس سے اسلام منع کرتا ہے۔ اس کی تشریح میں مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں کہ منکر وہ تمام برائیاں اور مفسدات ہیں جن کو رسول کریمؐ کی طرف سے ناجائز قرار دینا معلوم ہو۔ مولانا مودودیؒ نے اس طرح اس کی وضاحت کی

ہے کہ منکر وہ نامانوس اور انجانے عمل ہیں جو عقل صحیح اور عام آدمی کے نزدیک ناپسندیدہ ہوں۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ منکر صرف وہ اعمال ہوں گے جن کی ناپسندیدگی امت مسلمہ میں متفق علیہ ہو۔ اجتہادی عمل میں اس کا نفاذ نہیں ہوگا اس لیے کہ حضرت عمرو بن العاص سے مروی حدیث کا مفہوم یوں ہے "جب کوئی اجتہاد کرے اور صحیح ہو تو دو اجر ہیں اور اگر غلطی کرے تو ایک اجر ہے"۔

منکر کی چند مثالیں جو متفق علیہ ہیں یہ ہیں۔ خیانت، بدکاری، جھوٹ، فتنہ و فساد، بے انصافی۔ حد سے تجاوز۔ حق سلب کرنا۔ باطل کی حمایت۔ کمزور کو ستانا۔ ظلم کرنا۔ حق و صداقت کو دبانا وغیرہ۔

معروف و منکر کے معنی اور مفہوم سمجھ لینے کے بعد اب ان کی اہمیت کا بھی اندازہ کر لینا مناسب ہوگا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نظام تمدن کو فساد سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک بہترین اور ناگزیر تدبیر ہے۔ اسے اللہ نے ایک بین الاقوامی امت کے لیے فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ امت مسلمہ جو تقویٰ اور اخوت کی اساس پر قائم ہوئی ہے کا وظیفۂ حیات اللہ کے نظام کو زمین پر قائم کرنا، حق کو باطل پر، معروف کو منکر پر اور خیر کو شر پر غالب کرنا ہے۔ مولانا مودودیؒ نے بہت عمدہ مثال سے یہ بات ثابت کی ہے کہ یہ دونوں کام بیک وقت انجام دینا ناگزیر ہے۔ ایک محلہ میں غلاظت پھیلی ہو اور اس سے وبا پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہو تو اس کا شکار جہاں وہ ہوگا جو اس سے بچتا نہیں وہاں وہ بھی ہوگا جو اگرچہ حفظان صحت کا خیال رکھتا ہو مگر رہتا اسی محلہ میں ہو۔ خود اللہ تعالیٰ نے بھی اس حقیقت کو اس طرح بیان فرمایا ہے "اور بچو اس فتنہ سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف انھیں تک محدود نہ رہے گی جنھوں نے تم میں سے گناہ کیا" (الانفال ۲۵)۔ اسی طرح ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ایک گروہ نافرمانی کرتا تھا۔ دوسرا گروہ اسے روکتا تھا۔ ایک تیسرا گروہ وہ تھا جو دوسرے گروہ سے یہ کہتا تھا کہ پہلے گروہ کو روکنا لاحاصل ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "جو لوگ برائی سے منع کرتے تھے ہم نے ان کو نجات دی" (الاعراف ۱۶۵) اس سے معلوم ہوا کہ نہی عن المنکر نہ کرنے والا گروہ بھی اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکا اگرچہ وہ خود برائی سے اپنے کو بچاتا تھا۔ ایک حدیث بھی بالکل اسی مفہوم کو ہمارے سامنے رکھتی ہے "کہ جس نے

برائی ہوتے دیکھی اور اس کو روکنے کی کوشش نہیں کی وہ سب سے پہلے عذاب کا مستحق ہوگیا۔ بیہقی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ جبرئیلؑ کو حکم دے گا کہ فلاں شہر جو ایسا ہے ایسا ہے اس کو اس کے باشندوں کے ساتھ الٹ دو۔ جبرئیلؑ عرض کریں گے کہ یارب اس میں ایک ایسا بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی" اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ "اس پر اور دوسروں پر شہر الٹ دو کہ برائیوں کو دیکھ کر اس کا چہرہ لمحہ بھر کے لیے متغیر نہیں ہوا"

معمولی عقل و فہم رکھنے والا انسان بھی اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ بغیر برائیوں کو دور کیے ہوئے بھلائیاں رواج نہیں پا سکتیں۔ میں یہاں اپنی بات کی وضاحت میں دو مثالیں پیش کروں گا۔ اگر سارے لوگ مل کر بھی سمندر کو میٹھا کرنے کے لیے مسلسل شکر کی بوریاں ڈالتے رہیں اور یہ عمل مستقل جاری رہے تو بھی سمندر کبھی بھی میٹھا نہ ہوگا جب تک کہ سمندر کا نمک بھی ساتھ ساتھ نہ نکالا جائے اور پانی نمکین بننے کی وجوہات کا سدباب نہ کیا جائے۔ اسی طرح ایک دوسری مثال لے لیجئے۔ ایک برتن میں سڑا ہوا کھانا ہے اس میں آپ جتنا بھی تازہ فرحت بخش اور صحت افزا کھانا ڈالیں گے وہ سڑے ہوئے کھانے کو فرحت بخش اور صحت افزا نہیں بنا سکتا بلکہ خود یہ اچھا کھانا بھی جلد ہی سڑ جائے گا۔ اگر اچھے کھانے کی حفاظت اور اس کے خواص کو باقی رکھنا مقصد ہے تو برتن سے سڑا ہوا کھانا نکالنا ہوگا اور برتن کو صاف کرنا ہوگا۔ یہ دو مثالیں اس بات کو سمجھ لینے کے لیے کافی ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عمل ساتھ ساتھ ہیں بلکہ نہی عن المنکر ترتیب عمل میں پہلے ہوگا اور امر بالمعروف کا عمل بعد میں۔ یہی بات مولانا مودودیؒ نے بھی لکھی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر سے افضل ہے (الجہاد فی الاسلام)۔

مولانا مودودیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس طرح اپنا پیٹ بھرنے سے دوسروں کا پیٹ بھرنا زیادہ افضل ہے اسی طرح نیکی پھیلانا اور بدی کو روکنا ——— ——— خود نیک بننے اور بدی کو ترک کرنے سے افضل ہے۔ چنانچہ انسان کو یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ دوسروں کو فلاح کی راہ دکھانے سے پہلے وہ خود اپنے گریبان میں جھانکے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بنی نوع انسان کی خدمت ہے۔ یوں بھی یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ جو بات خود اپنے لیے اچھی ہے وہ دوسروں کے لیے بھی پسند کی جائے۔

اگر کوئی اچھی چیز ہمیں نہیں مل رہی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ اگر دوسروں کو مل سکتی ہے تو وہ انھیں نہ دی جائے۔ جس عمل سے ہمیں خود بچنا چاہیئے اس سے دوسروں کو بھی بچایا جائے۔ اگر خود نہ بچ سکے تو دوسروں کو نہ بچانا خود غرضی ہے۔ اس مضمون کی ایک حدیث بھی ہمیں ملتی ہے۔ ترمذی نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم نیکی کا حکم اور برائیوں کی مخالفت کرتے رہو گے ورنہ عنقریب اللہ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا۔ اور پھر تم دعائیں کرو گے مگر قبول نہ ہوں گی۔"

ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

" ضوابط الٰہیہ میں سستی کرنے والوں کی مثال ایسی ہے کہ قرعہ اندازی کے بعد کچھ لوگ کشتی کے بالائی حصہ پر اور کچھ نچلے حصہ پر چلے گئے۔ نچلے حصہ والے پانی کے لیے اوپر آتے تو بالائی حصہ والوں کو تکلیف ہوتی۔ چنانچہ نچلے حصہ والوں نے کلہاڑی سے پیندے میں سوراخ کرنا شروع کر دیا۔ اب اگر بالائی حصہ والے نچلے حصہ والوں کے ہاتھ پکڑ لیں گے تو خود بھی ڈوبنے سے بچیں گے اور دوسروں کو بھی بچالیں گے اور اگر چھوڑ دیں گے تو ان کے ساتھ خود بھی ہلاک ہوں گے" (نعمانؓ بن بشیر۔ بخاری)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دوسروں کو برا کام کرتے دیکھ کر ان کا ہاتھ نہ پکڑنا خود اپنی تباہی کا سامان کرنا ہے اور پھر ایسے لوگ اللہ کی پکڑ سے بھی نہ بچ سکیں گے۔ ایک اور حدیث بھی صاف صاف یہی بات ہمیں بتاتی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

" تم گمان کرتے ہو کہ اگر کوئی برے کام کرے گا تو تم کو نقصان نہ پہنچے گا حالانکہ اگر لوگ ظالم کو دیکھ کر اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو ممکن ہے کہ اللہ ان سب پر عمومی عذاب بھیج دے۔" (ابوبکر صدیق۔ نسائی و ترمذی)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت جان لینے کے بعد اب ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے کہ یہ کام کون کرے۔ عموماً لوگوں میں یہ تاثر ہے اور اسے عام کیا جاتا ہے کہ یہ کام صرف علماء کرام کا ہے کہ وہ لوگوں کو صرف وعظ و تلقین سے معروف پر عمل کرنے اور منکر سے بچنے کے لیے آمادہ کریں۔ حالانکہ ہم درج بالا احادیث اور

قرآنی آیات میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ ان پر عمل قوت واستطاعت کے لحاظ سے مطلوب ہے اور یہ بات بھی ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ ذمہ داری پوری امت مسلمہ پر ڈالی گئی ہے۔ جب یہ بات پوری امت پر فرض کی گئی ہے اور قوت کے استعمال کی بھی ہدایت کی گئی ہے تو یہ اولین ذمہ داری امت کے حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے کہ وہ امت کے نمائندے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں قوت بھی دی ہے۔ چنانچہ امت مسلمہ کے حکمرانوں کے نہ صرف یہ کہ یہ کام ہیں بلکہ حکمرانی کے لیے یہ شرائط بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "یہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں اقتدار عطا کردیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔ نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔" (الحج ۴۱)

حکمرانوں کے ساتھ ساتھ یہ کام اجتماعی طور پر مومنین پر بھی فرض ہے۔ اللہ نے "بڑے واضح انداز میں مومنوں پر یہ ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔ فرمایا" اور مومن مرد اور مومن عورتیں سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں" (التوبہ ۷۱) اس سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ اس کام کے لیے مومن مرد اور عورت ایک دوسرے کے دوست ہیں یعنی ساتھ دیتے ہیں اور ہاتھ بٹاتے ہیں۔

جہاں یہ کام حکمرانوں اور اجتماعی طور پر مومنین کے ہیں وہاں انفرادی طور پر بھی یہ ذمہ داریاں ہر مومن پر ہیں۔ مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں کہ اپنی اصلاح کے ساتھ دوسرے بھائیوں کو احکام قرآن وسنت کے مطابق اچھے کاموں کی تبلیغ اور برے کاموں سے روکنے کو ہر شخص اپنا فریضہ سمجھے۔ قرآن بھی حضرت لقمان کی زبان سے ان کے بیٹے کو نصیحت میں اسی بات کا درس دیتا ہے جب وہ بیان کرتا ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ "اے میرے بیٹے نماز قائم کر۔ معروف کا حکم دے اور منکر کو روک اور تجھے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کر" (لقمان ۱۷)

اس نصیحت میں واضح طور پر یہ نکتہ بھی مذکور ہے کہ اس کام میں تکلیف پہنچے گی جسے انگیز کرنا اور برداشت کرنا اور صبر پر کاربند رہنا مطلوب ہے گویا اس راہ میں عزیمت کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ مسلم اکابر نے ہمیشہ حکمرانوں کا احتساب کیا اور اپنے اس عمل کی وجہ سے شدید تکالیف وشدائد کا سامنا کیا۔ امام مالک

نے زبردستی کا نکاح حرام قرار دیا اور حکمراں کی دی ہوئی سزا بھگتی۔ اسی طرح امام احمد بن حنبل نے خلق قرآن کے خلاف فتویٰ دیا اور سزا برداشت کی۔ خود ہندوستان میں مجدد الف ثانی نے اکبر کے دین الٰہی کے خلاف فتویٰ دیا اور قید و مشقت برداشت کی۔

اس عمل کے انفرادی وجوب کے سلسلہ میں عموماً دو اشکال بیان کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ کسی کو معروف و منکر کا علم نہ ہو تو کیا اس پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں کہ جس کو نہ معلوم ہو اس پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ معلوم کرے اور پھر یہ خدمت انجام دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر وہ خود خیر نہ کرتا ہو اور شر سے باز نہ رہتا ہو تو وہ کیا کرے۔ اگرچہ ہم اس اشکال کا جواب پہلے دے چکے ہیں مگر پھر بھی یہاں چند مفکرین کی آرا نقل کرتے ہیں۔ مولانا ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس شخص پر بھی واجب ہے۔ امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ اگر شرط یہ ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا خود گناہوں سے پاک ہو تو احتساب کا دروازہ بند ہو جائے گا اور مزید لکھتے ہیں کہ خود معصوم تو صحابہ بھی نہ تھے۔ مگر وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے۔ آگے آپ مثال دیتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ خود شراب پیئے مگر دوسروں کو منع کرے۔ دونوں عمل جدا جدا ہیں۔ دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔ ایک کو نہ ماننے سے دوسرے حکم کا نہ ماننا لازم نہیں آتا جو خود بھی برائی کرے اور دوسروں کو بھی منع نہ کرے اس کو عذاب زیادہ ہوگا۔

آخر میں ہم اس کا مطالعہ کریں گے کہ یہ دونوں عمل کس طرح انجام دیئے جائیں۔ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ علم الاخلاق میں انسان کے فرائض کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کا مطالبہ معاشرہ کرتا ہے اور دوسری قسم اختیاری ہے۔ جن فرائض کا مطالبہ معاشرہ کرتا ہے وہ ہر ایک پر فرض ہیں یعنی قانون نہ توڑا جائے۔ برے کام سے بچا جائے۔ انسان اپنے کو منکر سے بچائے اور دوسروں کو بھی بچائے۔ مثال کے طور پر دوسروں کے حقوق نہ چھینے جائیں۔ ظلم نہ کیا جائے۔ امن و امان میں خلل نہ ڈالا جائے۔ وغیرہ۔ اگر کوئی ان کے خلاف کر رہا ہے تو معاشرہ اس کو مجبور کرے گا۔ یعنی منکر سے بجبر روکا جائے گا۔ دوسری قسم میں انسان اپنے درجات بڑھاتا ہے۔

جیسے نیک بننا۔ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ خدمت کرنا وغیرہ۔ ان کاموں کے لیے شعور اجاگر کیا جاتا ہے۔ جبر نہیں کیا جا سکتا۔ نہی عن المنکر میں انسان کو عزیمت کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ یہ اولوالعزمی اور فضیلت ہے کہ انسان نقصان برداشت کرے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا:

افضل الجہادِ کلمۃُ عدلٍ عِندَ سُلطانٍ جائرٍ (ابوسعید خدری۔ ابوداؤد)

یعنی جابر حکمراں کے سامنے عدل کی بات کرنا افضل جہاد ہے۔ اسی طرح امام مسلم نے انہی صحابی سے ایک اور حدیث روایت کی ہے کہ "تم میں سے کوئی اگر ایک منکر ہوتا ہوا دیکھے تو ہاتھ سے روک دے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے برا کہے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو دل میں برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ منکر کو روکنے کے لیے قوت استعمال کی جائے کہ یہ ایمان کا بلند ترین درجہ ہے۔ قوت نہ ہو تو اس درجہ کے حصول کے لیے قوت حاصل کی جائے نہ کہ کمزور ایمان پر اکتفا کر لیا جائے۔ چنانچہ معروف کا حکم کرنے اور منکر کو روکنے کے لیے اقتدار ناگزیر ہے۔ خود قرآن کے الفاظ جو آل عمران میں بیان ہوئے ہیں اس بات کی دلیل ہیں کہ قوت و اختیار حاصل کیا جائے۔ سید قطب فی ظلال القرآن میں لکھتے ہیں کہ خدائی نظام صرف وعظ و ارشاد اور بیان و تبلیغ کا نام نہیں۔ یہ دین کا صرف ایک حصہ ہے۔ دین کے دوسرے اجزاء کے لیے قوت، اقتدار، حوصلہ اور عزیمت لازمی وسائل و اوصاف ہیں۔

اب اس پہلو پر غور کیجئے کہ حالات کے مختلف ہونے سے عمل کے طریقے کس طرح مختلف ہوتے ہیں۔ امر بالمعروف میں عموماً کوئی رکاوٹ اور دقت پیش نہیں آتی۔ منکر کے سدباب میں رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ منکر کی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ نمبر ایک حالت ہے کہ منکر کا عمل ہو چکا ہو۔ دوسری حالت یہ ہے کہ منکر کا عمل ہو رہا ہو اور تیسری حالت یہ ہے کہ منکر کا عمل ہونے والا ہو۔ منکر کا عمل ہو جانے پر سزا دینے کا اختیار صرف حکومت کو حاصل ہے۔

منکر کا عمل اگر ہو رہا ہے تو اس کا روکنا واجب ہے خواہ کسی طرح بھی روکا

جائے۔ بشرطیکہ روکنے کے عمل سے خود کوئی بڑا منکر عمل نہ پیدا ہو جائے۔ منکر کا عمل ہونے والا ہے تو اسے افہام وتفہیم کے ذریعہ یعنی اس منکر کے نقصانات اور برے اثرات ونتائج کی وضاحت کرکے یا بزور قوت جیسے بھی احوال وظروف متقاضی ہوں عمل میں آنے سے روکا جائے۔

امام غزالیؒ نے منکر کو روکنے کے مراتب اور مراحل کچھ اس طرح بیان کئے ہیں:۔

۱۔ پہلے بتایا جائے۔ ۲۔ اس کے بعد نصیحت کی جائے۔ ۳۔ اس کے بعد سخت الفاظ میں ٹوکا جائے۔ ۴۔ اس کے بعد زبردستی روکنے کی کوشش کی جائے۔ ۵۔ آخر میں مددگار جمع کرکے یا مزید قوت حاصل کرکے سختی سے روکا جائے اور اس کے لیے حکومت کی اجازت ضروری نہیں۔

اب ہم یہ دیکھیں کہ کن حالتوں میں یہ کام واجب۔ یا مستحب یا ممنوع ہے۔ واجب اس صورت میں ہوگا کہ منع کرنے سے فائدہ ہو اور ایذا کا خوف نہ ہو (اسی کو قدرت بھی کہتے ہیں) دو صورتوں میں یہ مستحب ہے۔ ایک تو یہ کہ فائدہ کا علم نہ ہو مگر ایذا کا خوف بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اگرچہ ایذا کا خوف ہو مگر منکر ختم ہو جائے۔ امام غزالی کی نظر میں اگر فائدہ نہ ہو اور ایذا بھی پہنچے تو یہ عمل واجب نہیں رہتا۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ایک منکر کو روکنے سے زیادہ بڑا منکر پیدا ہو تو نہی عن المنکر منع ہے۔ ان کی رائے میں چند لوگ چند دوسرے لوگوں کا سختی سے احتساب نہیں کرسکتے مثلاً بیٹا باپ کا۔ بیوی شوہر کا، غلام آقا کا اور شاگرد استاد کا۔

اگر غور کیا جائے تو لوگوں کی خواہشات، مصالح ومفادات، ظلم وستم پست ہمتی، سستی وکاہلی اور کج روی سے ایک انسان کا ہر وقت اور ہر سمت میں تصادم ہوتا رہتا ہے۔ ان سب کے باوجود جو لوگ حق کی نصیحت کرتے اور صبر سے کام لیتے ہیں وہی فلاح پانے والے ہیں اور باقی سب خسارہ میں ہیں۔ یہی بات اللہ تعالیٰ سورۃ العصر میں ہمیں بتاتا ہے۔

مزید مطالعہ کے لیے دیکھئے

۱۔ معروف ومنکر مولانا سید جلال الدین عمری مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی

۲۔ الجہاد فی الاسلام	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی
۳۔ تفہیم القرآن (متعلقہ مقامات)	"	"
۴۔ فی ظلال القرآن	" سید قطب شہیدؒ	
۵۔ معارف القرآن	" مولانا مفتی محمد شفیع۔	
۶۔ تفسیر مظہری	" مولانا ثناء اللہ پانی پتی	
۷۔ احیاء علوم الدین	امام غزالی	

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی اہم پیشکش

عہد نبوی کا نظام حکومت

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

سیرتِ نبوی اور اس کے مختلف پہلوؤں پر اب تک چھوٹی بڑی بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ لیکن اس کتاب میں اس لحاظ سے جدت اور ندرت پائی جاتی ہے کہ وہ ایسے موضوعات پر مشتمل ہے جن سے کتب سیرت میں بہت کم تعرض کیا گیا ہے۔ ابتدا میں عہد رسالت میں ریاست کے تدریجی ارتقاء پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے پھر اس کے دور مبارک میں شہری نظم ونسق اور فوجی، مالی اور مذہبی نظاموں سے مفصل بحث ہے۔

اسلامی تاریخ اور سیرت نبوی پر پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کا خاص موضوع ہے۔ ان کا نام اعلیٰ تحقیقی معیار کی ضمانت ہے۔

کتاب پر مولانا سید جلال الدین عمری سکریٹری ادارہ اور نائب امیر جماعت اسلامی ہند کا مختصر اور مفید مقدمہ بھی ہے۔

آفسٹ کی خوبصورت طباعت، عمدہ کاغذ، صفحات ۱۳۶ قیمت ۳۰/- زیادہ منگوانے پر خصوصی رعایت

مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور علی گڑھ

رویت ہلال پر سائنسی تحقیق

ڈاکٹر طارق منیر

ریاضی اور علم ہئیت کو تمام علوم کی ملکہ کہا گیا ہے۔ اس کی وجہ بھی بڑی واضح ہے، علم ہئیت کے دائرے میں طبیعیات، علم الحساب، کیمیا اور دوسرے بہت سارے علوم آتے ہیں۔ اسلام کے درخشاں دور میں علم الہیئت پر جتنا کام ہوا اس کی نظیر مشکل ہی سے ملے گی۔ اس کی وجہ بھی بڑی آسانی سے سمجھ میں آتی ہے۔ جب دین اسلام بڑی تیزی سے پھیلا اور فاتح مسلمانوں نے نو آبادیاں قائم کیں تو ان کو نئے مقامات کے لیے قبلہ کی سمت معلوم کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ساتھ ہی اوقات صوم وصلوٰۃ بھی متعین کرنے پڑے اور اس کے لیے ان کو علم الہیئت کو ترقی دینا پڑی۔ مسلم ہئیت داں میں یوں تو درجنوں نام ذہن میں آتے ہیں لیکن چند ایک جو انتہائی اول درجہ کے عالم نکلے وہ ہیں یعقوب ابن طارق، الخوارزمی، البتانی، الفرغانی، الصوفی، البیرونی (جن کا ۱۰۰۰ سالہ جشن میلاد حال میں کینیڈا کی انجمن ہئیت نے بڑے دھوم دھام سے منایا ہے)، الطوسی اور عمر خیام۔ ایک برطانوی ہئیت داں کے سروے کے مطابق اسلام کے طلوع سے لے کر سنہ ۱۵۵۰ عیسوی تک جملہ ۱۲۷ ہئیت داں ایسے ملتے ہیں جن کے کام نے اس علم کو وسعت دی۔ ان ۱۲۷ ہیئت دانوں میں ۱۲۰ مسلم، ۴ مسیحی اور ۳ یہودی عالم گزرے ہیں۔ مگر مسلم علماء کی یہ کثرت کوئی عجیب بات اس لیے نہیں معلوم ہوتی کہ قرآن میں متعدد بار سورج، چاند اور ستاروں کا ذکر آیا ہے اور انسان کو اس بات کی دعوت اور ترغیب دی گئی ہے کہ ان میں اور خاص کر ان کے حرکات ومدار میں اللہ رب العزت کی جو نشانیاں ہیں، ان پر غور وتدبر کی نگاہ ڈالیں۔

"بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہلِ عقل کے لیے جن کی یہ حالت ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔

کھڑے بھی بیٹھے بھی لیٹے بھی اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار آپ نے اس کو لایعنی پیدا نہیں کیا۔" (سورۃ آل عمران، ۱۹۰)

"اور اس نے تمہارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند کو مسخر بنایا اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں۔ بے شک اس میں عقل مند لوگوں کے لیے چند دلیلیں (موجود) ہیں۔" (سورۃ النحل، ۱۲)

"اور آفتاب اور ماہتاب کو کام میں لگا دیا ہر ایک ایک وقت معین میں چلتا رہتا ہے۔" (سورۃ الرعد، ۲)

"سورج اور چاند حساب کے ساتھ چلتے ہیں۔" (سورۃ رحمان، ۵)

اوپر لکھی گئی آیات قرآنی (ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانویؒ) میں سے جو دو آخری آیات ہیں ان میں اس بات کی طرف بالکل واضح اور صاف اشارہ ہے کہ سورج چاند (اور تمام سماوی اجسام) اللہ کے بنائے ہوئے حساب سے چل رہے ہیں اور اس کے ساتھ رب العلمین یہ بھی کہہ رہا ہے کہ ان سماوی اجسام کی چال کا علم انسان کو دیا گیا ہے۔ ("اور سورج اور چاند کو مسخر بنایا)

زمین اور چاند کی گردش کے جو اصول اللہ تعالیٰ نے وضع کیے اسی حساب سے یہ اجسام روز اول سے اپنے محور پر گردش کرتے چلے آ رہے ہیں۔ سترہویں صدی میں یورپ میں طبیعیات اور علم ہیئت پر کام زوروں سے شروع ہوا، اس میں ایک ہالینڈ کے عالم کا کام قابل ذکر ہے جس نے یہ دریافت کیا کہ سیارے سورج کے اطراف اس طرح گردش کرتے ہیں کہ اگر سیارے اور سورج کو ایک فرضی لکیر کے ذریعہ ملایا جائے تو مساوی وقت میں وہ مساوی رقبہ عبور کرتے ہیں۔ ان دریافت شدہ قوانین کو آج Keplers Laws of Motion کہا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ قانون وضع کرنے والی ہستی اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، انسان کو صرف یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ ان قوانین سے آگاہ ہوا۔

سماوی اجسام کی پوزیشن معلوم کرنے کا طریقہ

یہ ایک مکمل سائنس ہے اور ہزاروں سائنسداں فی زمانہ اس سائنس کے اسرار و رموز سمجھنے میں عرق ریزاں ہیں۔ پچھلے وقتوں کے علم الہیئت کے ماہرین کی بڑی جانفشانی کے بعد آج کے طالب علم کو بہت ہی مفید و صحیح کمپیوٹر پروگرام بہت ہی کم قیمت میں دستیاب ہیں۔

ان پروگرام کی وجہ سے آج کا انسان اپنے گھر بیٹھ کر پرسنل کمپیوٹر کی مدد سے سورج اور چاند کا حساب سیکنڈ کے لاکھویں حصہ تک بآسانی لگا سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات جو سامنے آئی ہے وہ پیش خدمت ہے۔

قبل از سنہ ۱۹۸۴ سورج کے گرد زمینی گردش ہی کو وقت کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ سنہ ۱۹۸۴ میں اس میعاد کو ایک انسانی ایٹمی گھڑی کے حق میں بدل دیا گیا جو کہ لگ بھگ ایک لاکھ سال میں صرف ایک سیکنڈ آگے یا پیچھے ہو سکتی ہے۔ مگر حال میں کچھ ایسے ثقیل ترستارے دریافت ہوئے ہیں جو ایٹمی گھڑی سے بھی زیادہ درستگی کے ساتھ زمین کی جانب ریڈیائی لہریں بکھیرتے ہیں۔ اب کچھ سائنسداں اس بات پر مصر ہیں کہ انسانی ایٹمی گھڑی کو ہٹا کر ان ثقیل ستاروں کو وقت کی میعاد بنایا جائے۔

کوئی بھی سماوی جسم کو صرف دو زاویوں کی مدد سے آسمان میں اس کی پوزیشن کا تعین کیا جا سکتا ہے، وہ زاویے ہیں عمود اور سمت الراس Altitude & Azimuth اگر ہم کو چاند کی پہلی تاریخ کو اس کا عمود اور سمت الراس پتہ ہو تو رویت ہلال میں بڑی آسانی ہو جاتی ہے۔ اس مضمون کے آخر میں شہر دلّی، بھروچ (گجرات) اور حیدرآباد دکن کے لیے مرتب کیا گیا جدول پیش کیا جا رہا ہے جس کی مدد سے رویت ہلال میں آسانی ہوگی۔ اس کے علاوہ اشکال کی مدد سے عمود، سمت الراس اور زاویہ درازی شمس (Solar Elongation Angle) کو بھی دکھلایا گیا ہے۔

امکانی رویت کے فارمولے

۱۔ اس ضمن میں سب سے پہلے ایک ملیشیائی ہئیت داں ڈاکٹر محمد الیاس کا نام سامنے آتا ہے، ان کی تحقیق کے مطابق صفر تا ۳۰ درجے عرض البلد تک پہلی تاریخ کا چاند اسی وقت دیکھا جا سکتا ہے جب وہ سورج سے ۴۰ تا ۵۰ منٹ بعد غروب ہو، جبکہ ۴۰ درجے عرض البلد پر واقع مدنیات (شمالی امریکہ) میں یہ حد ۴۰ تا ۶۰ منٹ اور ۵۰ درجے عرض البلد (لندن، ڈنمارک، شمالی جرمنی وغیرہ) پر یہ حد ۴۰ تا ۷۰ منٹ تک بڑھ جاتی ہے۔

۲۔ شمالی امریکہ میں ایک مسلم گروپ ڈاکٹر عمر افضل کی قیادت میں کام کر رہا ہے۔ اس گروپ کا بیان ہے کہ جب تک وقت غروب آفتاب، چاند کا عمود ۱۰ ڈگری اور درازی شمس ۱۲ ڈگری

نہ ہو امکان رویت ممکن نہیں۔

۳۔ برطانیہ میں ڈاکٹر یلوپ، گرین آبزرویٹری کے ماہر فلکیات ہیں۔ برطانیہ کے سیکڑوں مسلم ادارے اُن سے امکان رویت اور اوقات صلاۃ کے جدول ہر سال مرتب کرواتے ہیں۔ ڈاکٹر یلوپ خود آبزرویٹری کے ایک سابق ڈائرکٹر مونڈر اور جامعہ بیروت میں تحقیق شدہ کام جس کو بروئین نے تکمیل کیا تھا، کو مدنظر رکھ کر امکان رویت کے جدول تیار کرتے ہیں۔ یلوپ کے تین مرکزی اصول ہیں: اوّل یہ کہ غروب شمس کے وقت سورج وچاند کا سمت الراس تقریباً ایک ہو، دوم یہ کہ زاویہ درازی شمس کم از کم ۱۰ درجے ہو اور سوم یہ کہ چاند کو اس وقت رویت کی جائے جب سورج افق سے ۵ درجے نیچے اتر چکا ہو۔

۴۔ امریکہ میں عماد احمد ایک اور ہیئت داں ہیں جو سابق میں "ناسا" (وہ ادارہ جس نے اپولو راکٹ پروگرام شروع کیا تھا) سے منسلک رہے ہیں۔ سنہ ۱۹۹۳ میں عماد احمد نے برطانیہ سے شائع ہونے والے سہ ماہی جریدے Quarterly Journal of Royal Astronomical Society (صفحہ نمبر ۵۳-۵۶) میں اپنی تحقیق کے نتائج شائع کیے ہیں۔ انھوں نے پچھلے ۱۰۷ سال کے رویت کے ریکارڈ کو پیش کیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ رویت کے لیے اقل ترین زاویہ درازی شمس ۸.۱ درجات ہوگا۔

MOONSIGHTING INFORMATION FOR RAMADAN & SHAWAL 1995

1st Ramadan corresponds to 2 February. Sighting to be performed on the evening of 1st February

	Best Time for Visibility	Moon Altitude, Deg	Moon Azimuth, Deg	Moon Age, Hours	Moonset - Sunset, min.
Hyderabad	18:30	16	258	38	84
Bharuch	18:46	16	257	38	91
Delhi	17.50	16	253	38	95

1st Shawal corresponds to 3 March. Sighting to be performed on the evening of 2nd March

Hyderabad	18:41	8	269	25	47
Bharuch	19:00	8	268	25	53
Delhi	18:10	8	267	25	55

عہدِ نبویؐ کے غزوات وسرایا

ڈاکٹر رؤف اقبال صاحب نے اس تصنیف میں اسلام کے نظریہ جہاد پر اسلامی موقف کی بے لاگ ترجمانی کی ہے اور اس پر کیے جانے والے اعتراضات کا مسکت اور مدلل جواب دیا ہے۔

آفسٹ کی طباعت۔ صفحات ۲۴۷ قیمت ۲۵ روپے

ملنے کا پتا: ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

تعارف وتبصرہ

ہندتو

اسرارعالم ناشر: اسلامک فقہ اکیڈمی نئی دہلی سنہ اشاعت ۱۹۹۵ء

صفحات ۳۸ قیمت درج نہیں

یہ رسالہ اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی کے لکچر سیریز کا ایک حصہ ہے۔ اس میں مصنف نے ہندتو کی وضاحت، کے ساتھ اس کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے۔ گزشتہ دہائی میں ایک مخصوص فرقہ کی جانب سے یہ نعرہ بہت زور وشور سے بلند کیا گیا اور اس کے ذریعہ ایک مخصوص کلچر کے احیاء اور ایک مخصوص طبقہ کی بالادستی کی منظم منصوبہ بندی کی گئی۔ مصنف نے ثابت کیا ہے کہ یہ نعرہ کوئی نیا نہیں ہے بلکہ اس فکر وفلسفہ کی جڑیں قدیم تاریخ میں پیوست ہیں۔ اس کے حاملین کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ دوسروں کو بزور قوت یا دوسرے وسائل بروئے کار لاکر اپنے کلچر میں ضم کرلیں یا انتہائی ذلت کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور کردیں۔ اس رسالہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ مصنف نے اپنی بات کو ہندو مت کے اوریجنل مصادر کے ذریعہ مدلل کرنے کی کوشش کی ہے۔

کچھ عرصہ قبل سہ روزہ 'دعوت' نئی دہلی کا ایک وقیع خصوصی نمبر ہندتو پر شائع ہوا تھا۔ یہ کتابچہ بھی اس لٹریچر میں ایک اچھا اضافہ ہے۔ (محمد رضی الاسلام ندوی)

لا الہ الا اللہ عقیدۃ وشریعۃ ومنہاج حیاۃ

مولف: محمد قطب ناشر: دارالوطن للنشر ریاض

زیر تبصرہ کتاب کے مصنف شیخ محمد قطب کا شمار دور حاضر کی ان معدودے چند شخصیات میں ہوتا ہے جنھوں نے عصر حاضر میں اٹھنے والی اسلامی تحریکات، خصوصاً مصر سے اٹھنے والی تحریکِ الاخوان المسلمون کو بہت قریب سے دیکھا اور برتا۔ آپ نے جب شعور سنبھالا شیخ حسن البنا شہیدؒ مسلمانوں کی تمناؤں کی آماجگاہ بن رہے تھے، امید ہو چلی تھی کہ مسلمان غلامی کا طوق گردن سے اتارنے میں اب کامیاب ہوجائیں گے اور اسلام اپنی بھرپور رعنائیوں کے ساتھ ایک بار پھر دنیا پر غالب ہوجائے گا۔ جن جیالوں نے حسن البنا شہید

کی دعوت پر لبیک کہا اور اپنی ساری توانائیاں غلبۂ اسلام کے لیے وقف کیں، اس کے لیے صعوبتیں برداشت کیں، اپنی زندگی کے بیش قیمت لمحات قید و بند میں گزارے اور اذیتیں جھیلیں، ان میں مصنف کتاب محمد قطب، ان کے بھائی سید قطب اور ہمشیرہ آمنہ قطب کا نام تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔ اس قافلہ نے اسلام کی سربلندی کے لیے مصر کے اذیت خانوں میں سترہ سال تک جو کچھ برداشت کیا اس سے دور اول کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

مصنف دراصل علم نفسیات کے آدمی ہیں۔ لیکن جب انھیں طویل قید و بند سے رہائی نصیب ہوئی اور انھوں نے ہبط وحی مکہ مکرمہ میں درس و تدریس سے وابستگی اختیار کی تو انھیں جزیرہ نمائے عرب سے اٹھنے والی شیخ محمد بن عبدالوہاب کی کامیاب دینی تحریک کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور کتاب و سنت کا گہرا علم رکھنے والوں کی صحبت ملی تو آپ نے قوانینِ فطرت کی روشنی میں عالم اسلام میں برپا ہونے والی اسلامی تحریکات، ان کے عروج و زوال کے اسباب تعمیری خدمات اور منفی پہلوؤں کا بے لاگ تجزیہ شروع کیا۔ جس کے نتیجہ میں بعض بہترین کتابیں آپ کے قلم سے نکلی ہیں، اس سلسلے کی شاہکار "واقعنا المعاصر" ہے۔

مصنف نے فکری و دعوتی میدانوں میں طویل تجربہ کے بعد محسوس کیا کہ اسلامی تحریکات سے وابستہ نوجوانوں کے پاس جوش و جذبہ تو بہت ہے، لیکن ان کے عقیدے کی بنیادیں واضح اور مستحکم نہیں ہیں، لہٰذا یہ تحریکیں وقتاً فوقتاً جادۂ حق سے ہٹتی رہتی ہیں ان سے اسلامی ہونے کے گمان میں غیر اسلامی حرکات سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ کیونکہ ان افراد کو اسلام کی بنیادی اساس "لا الٰہ الا اللہ" کے حقائق سے مکمل آگاہی حاصل نہیں ہوتی۔

مصنف نے آخری دنوں میں جو کتابیں لکھی ہیں، اور جو لکچر دئے ہیں کلمہ طیبہ کے مختلف گوشوں کو ان میں اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ زیر تبصرہ کتاب میں مصنف نے ان ہی نکات کو بڑی حد تک یکجا کر دیا اور اپنے طویل تجربہ کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب دعوت دین کے علمبرداروں اور تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کے لیے ایک رہنما کتاب بن گئی ہے۔

یہ کتاب تیرہ ابواب اور ۱۸۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

مصنف نے جگہ جگہ اسلامی تحریکات سے وابستگان کا محاسبہ کیا ہے، اور مکمل دین کو پیش کرنے کے بجائے دین کے کسی ایک ہی پہلو پر اپنی پوری جد و جہد

صرف کرنے اور دوسرے پہلوؤں سے چشم پوشی کو ان تحریکات کے موسسین اور بانیوں سے روگردانی قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"امام ابن تیمیہؒ نے صفات الٰہیہ کے مسئلہ پر اپنی جدوجہد زیادہ مرکوز کی، کیونکہ اس دور کے گمراہ فرقے اس مسئلہ میں بہت بھٹک گئے تھے۔ انھوں نے اسلامی عقیدہ کی شکل صورت بگاڑ دی تھی، یہ اس دور کا بحران تھا، اس کے باوجود امام صاحب نے اپنی دوسری کتابوں اور فتاویٰ میں دین کے دوسرے گوشوں کا بھی حق ادا کر دیا ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نے اولیاء اللہ اور ان کے مزارات سے غلط عقیدت اور ان کی قبروں کی عبادت کے مسئلہ پر اپنی جدوجہد مرکوز کی، یہ اس دور کا بحران تھا۔ لیکن آپ نے دین کے دوسرے گوشوں سے بھی اپنی مختلف کتابوں میں بحث کی ہے اور ان کا حق ادا کیا ہے۔ سید قطب شہید نے شریعتِ اسلامی کی حاکمیت پر اپنی جدوجہد مرکوز کی کیونکہ یہ موجودہ دور کا بحران ہے۔ لیکن دین کے دوسرے گوشوں پر "فی ظلال القرآن" اور "خصائص التصور الاسلامی" اور "مقومات التصور الاسلامی" وغیرہ کتابوں میں خاص طور پر روشنی ڈالی ہے۔ لیکن اب یہ حال ہو گیا ہے کہ جو افراد ان بزرگوں سے خوشہ چینی کرتے ہیں وہ ان باتوں کو بھول جاتے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ کے بہت سے موجودہ شاگردوں نے اپنی ساری جدوجہد صفات الٰہیہ کے مسئلہ پر صرف کر رکھی ہے۔ گویا عقیدہ صرف اسی کا نام ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بہت سے موجودہ شاگردوں نے اپنی جدوجہد کو مزارات کے ساتھ ہونے والے شرک کی حد تک مرکوز کر رکھا ہے۔ گویا لے دے کے اب یہی ایک شرک باقی رہ گیا ہے اور سید قطب شہیدؒ کے موجودہ بہت سے شاگردوں نے شریعت کی حاکمیت پر اپنی ساری جدوجہد مرکوز کر رکھی ہے، گویا دین کی یہی ایک بنیاد ہے۔ ان سبھوں کو چاہیے تھا کہ اپنے بزرگوں کی مکمل پیروی کرتے اور دین کے کسی ایک گوشے پر اکتفا نہ کرتے کیونکہ ان بزرگوں نے حالات کے تقاضوں کے تحت خاص موضوعات اور خاص پہلوؤں پر زور دیا تھا۔

دنیا کی حقیقت کو مصنف نے کیا خوب انداز سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں: "اپنی ایک آنکھ کو آپ بند کریں اور انگلی کو دوسری کھلی آنکھ سے اتنے قریب لے آئیں کہ وہ اسے چھو لے۔ آپ کو انگلی اتنی بڑی نظر آئے گی کہ آس پاس کا حصہ آنکھوں سے

اوجھل ہوجائے گا۔ پھر ایسا کریں کہ اپنا بازو اتنا لمبا کریں کہ یہی انگلی ایک کنارہ پر نظر آئے۔ آپ کو انگلی کے آس پاس کا کتنا بڑا حصہ نظر آئے گا؟ اور انگلی کتنی چھوٹی نظر آئے گی۔

یہی مثال انسان کے مقابلہ میں دنیا کی ہے۔ جب وہ زمین کی مٹی سے چپک جاتا ہے تو دنیا اسے بہت بڑی معلوم ہوتی ہے اور دنیا کے ماورا جو آفاق ہے وہ نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے اور انگلی کی آنکھ سے دوری کی طرح خود کو دنیا سے فاصلہ پر رکھتا ہے تو آفاق سے ماورا چیزیں اسے دکھائی دیتی ہیں۔

اسلام اور مغرب کے اخلاقی معیارات کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یورپ نے ظاہری طور پر جن اخلاقیات کو اپنایا ہے دراصل وہ اسلام ہی کے سکھائے ہوئے ہیں، سچائی، امانت داری، وعدے کی پابندی، کام سے لگن، محنت، چستی، دوسروں کے حقوق کا احترام، پاکی وغیرہ، فرق صرف اتنا ہے کہ لوگوں سے معاملات کے وقت ان اخلاقیات کا خیال مسلمان صرف اللہ کے لیے کرتا ہے اور موجودہ جاہلیت میں مفادات کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اسلام کی اخلاقی تعلیمات زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھتی ہیں جبکہ موجودہ جاہلیت نے انھیں اجتماعی معاملات کی حد تک محدود کر دیا ہے۔ رہا سیاست کا معاملہ اس میں کسی اخلاق کا وجود ہی نہیں۔ جھوٹ فریب دھوکہ سبھی اس میں جائز ہے۔ معاشی میدان بھی اخلاق سے عاری ہے۔ سود کے ذریعہ ناحق لوگوں کا مال کھانا، علی الاعلان دھوکہ دہی، گوداموں میں پڑے ہوئے مال کی بکری، سرمایہ داروں کی جیب بھرنے اور ان کے پیٹ پھلانے کے لیے عامۃ الناس کو بہکانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مرد و عورت کے جنسی تعلقات میں اخلاق کو جس طرح پامال کیا گیا ہے تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں۔

یہ سب اپنی جگہ پر لیکن امت مسلمہ کے پاس اخلاق کا وجود کہاں ہے؟ یہاں جزوی مفادات کا ذکر نہیں ہے۔ مفاد پرستی اور خلوص کی بحثوں کو بھی چھوڑ دیجئے، آخر دکھاوے یا حقیقی اخلاق نام کی چیز بھی مسلمانوں کے پاس ہے کہاں؟ کیا ہم یہ سمجھیں کہ یہ امت دوبارہ جاہلیت کی طرف لوٹ رہی ہے۔

موجودہ جاہلیت کی بحث بھی چھوڑ دیجئے کیا عرب کی جاہلیت میں جو اخلاقی قدریں رائج تھیں کیا ہمارے معاشرے میں ان کا وجود ہی باقی رہ گیا ہے؟

امت مسلمہ کے لیے یہ بات کتنی ہتک آمیز ہے کہ اس کے سامنے تمام جاہلی تہذیبیں

باکردار و با اخلاق نظر آئیں"۔

اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور اسلامی تحریکات کی موجودہ صورت حال پر مصنف اس طرح رقم طراز ہیں:

"آج کی اسلامی دنیا میں اسلام کی دعوت کے عملی پیکر اور نمونے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ گزشتہ نصف صدی میں عوام میں اسلامی تحریک جس تیزی سے مقبول ہوئی ہے اس لحاظ سے ان کی تربیت کرنے والوں کو تیار نہیں کیا گیا ہے۔ آج نوجوانوں کی اسلام کی طرف کثرت سے رغبت اور ان کی صحیح تربیت کرنے والوں کی کمی نے ہمیں بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے۔ لہٰذا موجودہ نشاۃ ثانیہ کے موقع پر لازمی ہے کہ گزشتہ نصف صدی میں مربیوں کی تیاری میں کوتاہی کے باعث جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کی جائے اور بہترین مربیوں کی ایک ٹیم تیار کی جائے۔ ورنہ اسلامی تحریک میں پانی کی سطح پر تیرنے والے بہت سے بلبلے ابھریں گے اور پھٹ کر پانی کے بہاؤ میں بے کار ہو جائیں گے"۔

اسلام کی نشاۃ ثانیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے "اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام آرہا ہے۔ یہ اکیلے ہم نہیں کہہ رہے ہیں .... بلکہ یہ تو یورپ بھی کہتا ہے.... وہ یہ بات ڈر کے مارے کہتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہونے کی خوشی میں کہتے ہیں"۔

یہ کتاب اس قابل ہے کہ دعوت دین کے میدان میں کام کرنے والا ہر کارکن اسے پڑھے۔ کوئی بندہ خدا اس کا اردو قارئین کے لیے ترجمہ کر دے تو یہ ایک بہترین خدمت ہوگی۔

(مولانا عبدالمتین منیری)

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی ایک اہم کتاب

ایمان وعمل کا قرآنی تصوّر

الطاف احمد اعظمی

○ ایمان وعمل کے مروجہ تصور کی کمزوریوں کی نشان دہی کرتی ہے۔ ○ قرآن وسنت کے نقطۂ نظر کی مدلّل اور دلنشیں تشریح کرتی ہے ○ ایمان وعمل کے تقاضے اور دنیا اور آخرت میں کامیابی کی راہ واضح کرتی ہے

اعلیٰ طباعت خوبصورت سرورق صفحات ۲۸۰ قیمت ۲۵ روپے لائبریری ایڈیشن ۳۰ روپے

ملنے کا پتا: ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

محمد اور قرآن

تالیف: ڈاکٹر رفیق زکریا
اردو ترجمہ: ڈاکٹر مظہر محی الدین

ناشر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ نئی دہلی قیمت: ۲۰۰ روپے صفحات ۴۳۲

یہ کتاب سلمان رشدی کی بدنام زمانہ کتاب "شیطانی آیات" کے جواب میں انگریزی زبان میں (Mohammad and Quran) کے نام سے لکھی گئی ہے۔ جس کو پین گوئن بکس پبلشر نے انگلینڈ، امریکہ اور ہندوستان سے شائع کیا (شیطانی آیات بھی اسی پبلشر نے شائع کی تھی) یہ اس کا اردو ترجمہ ہے جس کو مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی نے شائع کیا ہے۔

یوں تو اسلام، قرآن اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر ہمیشہ اوچھے انداز میں اعتراضات کیے گئے ہیں لیکن سلمان رشدی نے اس سلسلے میں جو انداز اپنایا ہے وہ انتہائی درجہ دل آزارا ور سوقیانہ ہے۔ شکر ہے کہ اس پر ہندوستان سمیت دنیا کے بیشتر ممالک نے پابندی عائد کردی ہے۔ لیکن پابندی کے ساتھ اس کا مناسب جواب بھی وقت کا تقاضا تھا جس کو ہندوستان کی معروف شخصیت ڈاکٹر رفیق زکریا نے پورا کیا

ع قرعۂ فال بنام دیوانہ زدند

ڈاکٹر موصوف ایک سلجھی ہوئی شخصیت ہیں اور آپ کے کارنامے سیاست سے لے کر صحافت اور تحقیق و تصنیف کے میدان تک پھیلے ہوئے ہیں۔ عربی نہ جاننے کے باوجود اسلامیات کا گہرا مطالعہ ہے۔ زیر تبصرہ کتاب کے علاوہ بھی اسلامیات پر آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔

کتاب چار ابواب میں منقسم ہے۔ پہلے باب میں غزوات و سرایا اور ازواج مطہرات پر وارد ہونے والے اعتراضات کا علمی جواب دیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں قرآن کی منتخب آیات کا ترجمہ اور ان کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں حضرات انبیاء کی مختصر تاریخ ان کی سیرت، دعوت اور کارنامے بیان کیے گئے ہیں۔

چوتھے باب میں قرآن کی ترتیب پر اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب

کے تحت آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا تاریخی ترتیب سے جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح کتاب اس سلسلہ کے تمام اعتراضات اور ان کے جوابات پر مشتمل ہے۔

شروع میں ڈاکٹر خلیق انجم صاحب کا حرف آغاز ہے جس میں ڈاکٹر موصوف کے تعارف اور ان کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد مقدمۃ الکتاب ہے جس میں "شیطانی آیات" کا پس منظر اور اس کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مقدمہ ہر اعتبار سے وقیع اور قابل مطالعہ ہے۔

یہ کتاب اگرچہ "شیطانی آیات" کے جواب میں لکھی گئی ہے لیکن اس کا انداز معروضی ہے اور وہ معترضین کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر پیش کرتی ہے۔ کتاب کا مطالعہ عام مسلمانوں کے لیے بھی مفید ہے تاکہ اسلام کے خلاف اعتراضات اور ان کی حقیقت سے واقف ہو سکیں۔

کتاب میں مصنف کے بعض خیالات اصلاح طلب بھی ہیں ان کی یہ بات صحیح نہیں ہے کہ محدثین نے احادیث اپنی طرف سے گھڑ کر بھی پیش کی ہیں۔ انھوں نے تو حدیثوں کی چھان پھٹک کی ممکنہ حد تک کوشش کی ہے نہ کہ خود ساختہ تحریریں ان میں شامل کی ہیں۔

کتاب کا ترجمہ ڈاکٹر مظہر محی الدین پرنسپل مولانا آزاد کالج اورنگ آباد نے کیا ہے۔ ترجمہ سلیس رواں اور معیاری ہے۔

اردو ترجمے میں ماخذوں کے حوالے نہیں ہیں جن کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ جا بجا کتابت کی غلطیاں ہیں۔ جیسے دیکھئے ص۴۷ سطر ۲۴ و ص۸۹ سطر ۱ و ص۹۷ سطر ۸ و ص۱۱۴ سطر ۷ و ص۴۰۷ سطر ۷ اور ص۴۳۱ سطر ۲۰۔

کتاب کی قیمت دو سو روپے ہیں اردو خواں طبقہ کے لیے یہ زیادہ ہے۔

بہر حال یہ کتاب عصر حاضر میں اسلام کی تشریح و تفہیم میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

(محمد رحیم کریمی)

ادارۂ تحقیق وتصنیف کی گرانقدر مطبوعات

تصنیف	مصنف	صفحات	قیمت
معرکۂ اسلام وجاہلیت	مولانا صدرالدین اصلاحی	۲۱۶	۲۵/=
صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات	مولانا سید جلال الدین عمری	۳۸۸	۷۰/=
اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور	"	۱۷۶	۴۰/=
مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ	"	۲۰۰	۳۵/=
اسلام اور مشکلاتِ حیات	"	۸۸	۸/=
مذہب کا اسلامی تصور	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۵۹۱	۱۰۰/=
وحدت ادیان کا نظریہ اور اسلام	"	۱۹۲	۴۰/=
مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام	"	۱۰۲	۲۰/=
عہدِ نبوی کا نظامِ حکومت	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۱۳۶	۳۰/=
ایمان وعمل کا قرآنی تصور	الطاف احمد اعظمی علیگ	۲۸۰	۲۵/=
تصوف — ایک تجزیاتی مطالعہ	ڈاکٹر عبید اللہ فراہی	۲۰۰	۲۵/=
عہدِ نبوی کے غزوات وسرایا	ڈاکٹر رؤف اقبال	۲۴۷	۲۵/=

ادارۂ تحقیق نے اپنی اردو اور انگریزی مطبوعات کے علاوہ دیگر اہم مکتبوں کی علمی ودینی کتبے کی فراہمی کا بھی انتظام کیا ہے۔ فہرست کتب ایک خط لکھ کر طلب کی جاسکتی ہے

مکتبہ تحقیق وتصنیف اسلامی

پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ

فہرست مضامین سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ

جلد ۱۵ شمارہ ۱ تا ۴ سنہ ۱۹۹۶ء

مضامین	مضمون نگار	شمارہ	صفحہ
حرفِ آغاز			
تحالف کی سماجی اور سیاسی اہمیت	مولانا سید جلال الدین عمری	۱	۵
مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ازدواجی تعلقات (۱)	"	۲	۱۲۵
" (۲)	"	۳	۲۴۵
غیر مسلموں سے معاشرتی تعلقات (بعض مسائل کی توضیح)	"	۴	۳۰۵
تحقیق وتنقید			
خواب کی دینی حیثیت	ڈاکٹر غلام قادر لون	۲	۱۳۸
عہد وسطیٰ کا ہندوستان عرب مورخین کی نظر میں۔	پروفیسر اقتدار حسین صدیقی	۲	۱۶۱
عم نبوی زبیر بن عبد المطلب اور سیرت نبوی	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۳	۲۶۷
علم درایت اور موضوع روایات	ڈاکٹر محمد سلیم	۴	۳۸۱
مورخ یعقوبی اور فقہائے اسلامی	ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۴	۳۹۴
بحث ونظر			
اسلامی معاشیات ایک تعارف	ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی	۱	۲۴
اسلامی زکوٰۃ ۔ انفرادی یا اجتماعی	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱	۴۷
مشینی ذبیحہ ۔ شریعت کی نگاہ میں	مولانا صباح الدین ملک فلاحی قاسمی	۱	۷۰
اہل کتاب مسلمانوں کے لیے نمونہ عبرت (۱)	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۱۷۲
قرآن کا نظم اس کا ایک معجزہ	ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی	۲	۱۹۶

مضمون	مضمون نگار	شمارہ	صفحہ
اسلامی معاشیات کے مصادر	ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی	۳	۳۰۱
اہل کتاب مسلمانوں کے لیے نمونۂ عبرت (۲)	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۳۱۳
مرابحہ۔ غیر سودی بنک کاری کی اہم بنیاد	مولانا محمد حسنین ندوی	۴	۴۰۸
نصاریٰ اور قرآن	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۴	۴۲۷
رویت ہلال پر سائنسی تحقیق	ڈاکٹر طارق منیر	۴	۴۶۵
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر	ڈاکٹر سید حسن الدین احمد	۴	۴۵۶
سیاسیات عالم			
ملی سلامت پارٹی	ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی	۱	۸۵
سیر وسوانح			
امام علی بن حمزہ کسائی اور ان کی علمی خدمات	جناب محمد الیاس الاعظمی	۲	۲۱۵
شافعی فقیہ شیخ ابو اسحاق شیرازی	مولانا احتشام الحق قاسمی	۳	۳۳۷
نقد واستدراک			
بعض قرآنی الفاظ کے مواقع استعمال	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۱	۱۱۲
فلسفۂ نظم قرآن	مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی	۳	۳۴۹
تعارف وتبصرہ			
عہد نبوی کا نظام حکومت	ڈاکٹر منور حسین فلاحی	۲	۲۳۹
عالم اسلام کی روحانی صورت حال	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۳۵۹
ہندتو	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۴	۴۶۹
لاالٰہ الا اللہ عقیدۃ وشریعۃ ومنہاج حیاۃ	مولانا عبدالمتین منیری	۴	۴۶۹
محمد اور قرآن	مولانا محمد جمیس کریمی	۴	۴۷۴

فہرست مضمون نگاران تحقیقات اسلامی علی گڑھ

بابت سنہ ۱۹۹۶ء

مضمون نگاران	مضامین	شمارہ	صفحہ
مولانا احتشام الحق قاسمی	شافعی فقیہ ابو اسحٰق شیرازی	۳	۳۳۷

مضمون نگار	مضامین	شمارہ	صفحہ
پروفیسر اقتدار حسین صدیقی	عہد وسطیٰ کا ہندوستان عرب مورخین کی نظر میں	۲	۱۶۱
جناب محمد الیاس الاعظمی	امام علی بن حمزہ کسائی اور ان کی علمی و دینی خدمات	۲	۲۱۵
مولانا سید جلال الدین عمری	تحالف کی سیاسی اور سماجی اہمیت	۱	۵
،،	مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ازدواجی تعلقات (۱)	۲	۱۲۵
،،	،، (۲)	۳	۲۴۵
،،	غیر مسلموں سے معاشرتی تعلقات	۴	۳۶۵
ڈاکٹر سید حسن الدین احمد	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر	۴	۴۵۶
مولانا سلطان احمد اصلاحی	اسلامی زکوٰۃ انفرادی یا اجتماعی	۱	۴۷
مولانا صباح الدین ملک فلاحی قاسمی	مشینی ذبیحہ۔ شریعت کی نگاہ میں	۱	۷۰
ڈاکٹر طارق منیر	رویت ہلال پر سائنسی تحقیق	۴	۴۶۵
ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی	اسلامی معاشیات کے مصادر	۳	۳۰۱
مولانا عبد المتین منیری	لا الٰہ الا اللہ عقیدۃ و شریعۃ و منہاج حیاۃ (تعارف)	۴	۴۶۹
ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی	قرآن کا نظم اس کا ایک معجزہ	۲	۱۹۶
،،	ملی سلامت پارٹی	۱	۸۵
ڈاکٹر غلام قادر لون	خواب کی دینی حیثیت	۲	۱۳۸
ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی	اسلامی معاشیات ایک تعارف	۱	۲۴
مولانا محمد جرجیس کریمی	محمد اور قرآن (تبصرہ)	۴	۴۷۴
مولانا محمد حسنین ندوی	مرابحہ۔ غیر سودی بنکاری کی اہم بنیاد	۴	۴۰۸
ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	اہل کتاب مسلمانوں کے لیے نمونۂ عبرت (۱)	۲	۱۴۲
،،	،، (۲)	۳	۳۱۳
،،	نصاریٰ اور قرآن	۴	۴۲۷

مضمون نگاران	مضامین	شمارہ	صفحہ
ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	بعض قرآنی الفاظ کے مواقع استعمال	۱	۱۱۲
،،	عالم اسلام کی روحانی صورتحال (تبصرہ)	۳	۳۵۹
،،	ہند تو ،، ،،	۴	۴۶۹
ڈاکٹر محمد سلیم	علم درایت اور موضوع روایات	۴	۳۸۱
مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی	فلسفۂ نظم قرآن	۳	۳۴۵
ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی	عم نبوی زبیر بن عبدالمطلب اور سیرت نبوی	۳	۲۶۷
ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی	مورخ یعقوبی اور فقہائے اسلامی	۴	۳۹۴
ڈاکٹر منور حسین	عہد نبوی کا نظام حکومت (تبصرہ)	۲	۲۳۹

مولانا سید جلال الدین عمری کی تصنیف

اسلام اور وحدتِ بنی آدم کا انگریزی ترجمہ

Islam & Unity of Mankind

ڈاکٹر محمد رفعت کے قلم سے جس میں درج ذیل مباحث کا احاطہ کیا گیا ہے۔

(۱) انسانی سماج میں انتشار کے اسباب کیا ہیں؟ (۲) غلط اور محدود مقاصد زندگی کے نتائج کیا ہیں؟ (۳) انسانی وحدت کی اسلامی بنیاد کیا ہے؟ (۴) عالمی برادری کے تصور کی خامیاں کیا ہیں؟ (۵) انسانی معاشرہ میں اتحاد و یکجہتی کس طرح پیدا ہو سکتی ہے؟ (۶) انسانی حقوق و امتیازی اصول کیا ہو سکتے ہیں؟ (۷) انسانی اجتماعیت کو کون سی چیزیں پارہ پارہ کرتی ہیں۔ یہ وہ اہم مباحث ہیں جو اس کتاب کا حصہ ہیں۔ انتشار و افتراق کے شکار اس سماج میں اس کتاب کی اشاعت انسانیت کی ایک اہم خدمت ہے۔ ہندی میں اس کا ترجمہ इस्लाम और मानव एकता کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔ آفسٹ کی طباعت۔ قیمت صرف ۴ روپے

پتہ: ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ